بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

۞۞۞۞۞۞۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم

آج کل نئی باتوں کو ہوا دینا اور لوگوں کو شکوک میں مبتلا کرنا ایک فیشن بن گیا ہے، ان نئی باتوں میں سے جن کو ہوا دی جارہی ہے ضعیف حدیث کی حجیت کا انکار بھی ہے؛ حالانکہ ضعف کے درجات ہیں اور احکام کے بھی درجات ہیں، جو حکم فضیلت اور استحباب کے درجہ میں ہو اس کے لیے ضعیف حدیث بھی کافی ہے، چونکہ یہ فتنہ بار بار سر اٹھاتا ہے اس لیے جناب مولانا محمد الیاس شیخ نے اس سلسلہ کے متفرق مواد جمع کیا، بندہ نے بھی کچھ مشورے دیے اور کچھ کتابوں کی نشاندہی کی، اللہ اس تالیف کو مقبول اور نافع بنادے اور امت کو صراط مستقیم پر چلنے اور اکابر کا دامن پکڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(حضرت مفتی) رضاء الحق (صاحب حفظہ اللہ)

خادم الافتاء والتدریس بدار العلوم زکریا

لینیشیا، جنوبی افریقہ

۲ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

مطابق ۱۶، اگست ۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہِ تالیف

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، أما بعد:

قرآن کریم پوری انسانیت کے لیے ابدی قانون اور دستور العمل ہے اور حدیث رسول اللہ ﷺ اس کی تفسیر وتشریح ہے؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود قرآن کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق عمل کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں؛ چنانچہ سرورِ کائنات ﷺ کے اقوال، افعال وتقریرات، معاشرتی احوال واخلاق، صحابہ کرام کی مقدس ہستیوں کے ذریعہ یہ رشد وہدایت کا پرنور خزانہ نقل درنقل ہوتا ہوا امت کو پہنچا ہے، اس کی صحت وصداقت کی پہچان کے لیے محدثین اور فقہاء نے مختلف قوانین اپنائے، نیز ثبوت واستناد کے اعتبار سے حدیثوں کے مختلف درجات قائم کیے، جن کو صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ سے جانا جاتا ہے؛ اسی وجہ سے عمل اور استدلال کے اعتبار سے بھی ان میں فرقِ مراتب پایا جاتا ہے۔

اقسامِ حدیث میں صحیح وحسن اپنی اقسام کے ساتھ بغیر کسی اختلاف کے قابلِ استدلال ہیں، دین کی تمام شاخوں میں اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے؛ البتہ ضعیف حدیث کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ احکام یعنی حلال وحرام کے باب میں حجت ہوگی یا نہیں؟ لیکن ابواب فضائل اعمال، ترغیب وترہیب، قصص ومغازی وغیرہ میں تو

جمہورِ امت کے نزدیک قابلِ حجت ہے۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کی جانب سے پوری شد ومد کے ساتھ یہ غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ ضعیف حدیث قطعاً قابلِ اعتبار نہیں اس کا محل حدیثِ موضوع کی طرح ردی کی ٹوکری ہے۔

صرف صحیح حدیث حجت ہے، صحیح کے مصداق میں کچھ باشعور حضرات حسن کو بھی شامل کر لیتے ہیں، ورنہ عام سطح کے لوگ اس کو بھی روا نہیں سمجھتے، اور بعض حضرات تو صرف صحیحین کو تسلیم کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک پورا دین صحیحین میں منحصر ہے، اور دوسرے بعض نے تو دیگر تمام اہم کتب کی صحیح اور ضعیف کی طرف تقسیم شروع کر دی، مثلاً صحیح الکتاب الفلانی وضعیف الکتاب الفلانی، اس طرح بے شمار کتبِ حدیث کو عمل جراحی کا نشانہ بنا رکھا ہے اور اپنے اجتہاد کے مطابق دو خانوں (صحیح وضعیف) میں تقسیم کر کے شائع کر دیا ہے۔ **فالی اللہ المشتکی .**

کتبِ حدیث سے اس عمل جراحی کو ختم کرنے کے لیے اس مواد کو جمع کیا گیا ہے کہ محدثین وفقہاء کے نزدیک ضعیف حدیث کا کیا مرتبہ ہے؛ جبکہ سلف وخلف بلاچوں وچرا فضائل میں اس پر عمل کرتے نظر آتے ہیں، نیز اگر ضعیف حدیث کا محل بالکل ردی کی ٹوکری ہوتا تو پھر ترمذی شریف، ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ شریف وغیرہ جن کا صحاحِ ستہ میں شمار ہوتا ہے، اِن کتبِ حدیث میں بڑی تعداد میں احادیثِ ضعاف موجود ہیں، پھر ان کا کیا ہوگا؟ نیز بڑے بڑے محدثین نے ابوابِ فضائل، اذکار اور ادعیہ نیز زہد و تقویٰ، ترغیب وترہیب پر مشتمل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

جن میں سے چند بطورِ ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں:

کتاب	مصنف
كتاب الزهد	(امام احمد بن حنبل)
الأب المفرد	(امام بخاری)
فضائل القرآن	(امام شافعی)
كتاب الزهد	(عبداللہ بن مبارک)
كتاب الترغيب والترهيب	حافظ ابوالقاسم الاصبہانی
الترغيب والترهيب	(حافظ منذری)
عمل اليوم الليلة	(امام نسائی)
عمل اليوم والليلة	(امام ابن السنی)
الأذكار	(امام نووی)
كتاب الدعاء	(امام طبرانی)
فضائل القرآن	(محقق ابن کثیر)
فضائل القرآن وتلاوته	(ابوالفضل الرازی)
من فضائل سورت الاخلاص وما لقارئها	(ابوالحسن الخلال)
فضائل الأوقات	(امام بیہقی)
فضائل التسمية باحمد ومحمد	(حسین بن احمد بن عبداللہ بن بکیر)
فضائل الصحابة	(امام احمد بن حنبل)
فضائل القرآن	(الفریابی)
فضائل القرآن	(قاسم بن سلام)
فضائل القرآن	(محمد بن ضریس)

فضائل بيت المقدس	(ضياء الدين المقدسی)
فضائل شهر رمضان	(ابن شاہین)
فضائل مكه والسكن فيها	(حسن بصری)
فضائل مدينة	(ابوسعید الجندی)
فضائل رمضان	(ابن ابی الدنیا)
فضائل الأعمال	(ضياء الدين المقدسی)
فضائل شهر رجب	(ابوالحسن الخلال)
فضائل فاطمة	(ابن شاہین)
الترغيب فى فضائل الأعمال وثواب ذلك	(ابن شاہین)
المتجر الرابح فى ثواب العمل الصالح	حافظ ابومحمد الدمیاطی
الزهد الكبير	(امام بیہقی)
الزهد	(ابن ابی حاتم الرازی)
الزهد	(ابن ابی داؤد)
الزهد	(اسد بن موسیٰ)
الزهد	(ابن ابی عاصم)
الزهد	(ہناد بن سری)
الزهد	(وکیع بن جراح)
الزهد و صفة الزاهدين	(ابن الاعرابی)

فضائل درود شریف میں: القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع

(حافظ سخاوی)۔اور القربة الى رب العالمين بالصلاة على محمد سيدالمرسلين ، لابن بشكوال۔

ان تمام کتب کا کیا ہوگا؟ جبکہ ان کتب میں سے اکثر کتب کا وافر حصہ احادیث ضعاف پر مشتمل ہے۔ نیز ضعیف کو رد کرنا بالفاظِ دیگر دین کو رد کرنا ہے؛ کیونکہ فضائل، اذکار اور ادعیہ کا شریعت میں بڑا مقام ہے جن کا اکثر حصہ احادیثِ ضعاف پر مشتمل ہے یہ پورا ضائع ہوجائے گا۔ چونکہ یہ فتنہ بار بار سر اٹھاتا ہے اس لیے حضرت الاستاذ مفتی رضاء الحق صاحب ادام اللہ فیوضہم کی رہنمائی اور افادات کی روشنی میں اس مضمون کے موادکو ۲۰۰۷ء میں جمع کیا گیا تھا۔

بعد ازاں ضرورت محسوس ہوئی اور برادرِ محترم مولانا رفیق صاحب کی طرف سے بھی بار بار طباعتِ جدیدہ کا تقاضا ہوا تو حضرت مفتی صاحب کے افادات کی روشنی میں مزید اضافات اور اصلاحات کے ساتھ از سرِ نو مرتب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو نافع اور مقبول بنائے، اور امت کو صراطِ مستقیم پر چلنے اور اکابر دامن پکڑنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ تخصص کے جن طلباء نے بندہ کی معاونت کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور مستقبل کے لیے کامیابی اور کامرانی کا وسیلہ بنائے، آمین۔

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم وصلى الله تعالىٰ على خيرخلقه محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين .

راقم الحروف: بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت

معین دارالافتاء، دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

۱۵/شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ بہ مطابق ۱۲/مئی ۲۰۱۷ء بروزِ جمعہ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

حدیثِ ضعیف کی تعریف:

(الف) لغوی تعریف:

ضعیف بمعنی کمزور ضَعُفَ (کَرُمَ) سے ضعیف وکمزور ہونا۔

اور کمزوری وضعف حسی بھی ہوتا ہے اور معنوی بھی ہوتا ہے، یہاں معنوی مراد ہے۔

(علوم الحدیث ص ۱۲۵، وتیسیر مصطلح الحدیث ص ۵۳).

(ب) اصطلاحی تعریف:

(۱) کل حدیث لم یجتمع فیه صفات الحدیث الصحیح ولا صفات الحدیث الحسن فهو حدیث ضعیف. (مقدمة ابن صلاح ص ۲۰).

(۲) وهو ما لم یجمع صفة الحسن بفقد شرط من شروطه.

(تیسیر مصطلح الحدیث ص ۶۳).

(۳) وهو ما لم یجتمع فیه شروط الصحیح والحسن.

(ظفر الأمانی ص ۱۰۸).

حدیثِ ضعیف وہ ہے جس میں صحیح اور حسن کی شرائط نہ پائی جائیں۔

حدیثِ صحیح اور حسن کی شرائط درج ذیل ملاحظہ کیجئے:

شرائط الصحیح والحسن: حدیثِ صحیح وحسن کی شرائط:

وشروط القبول ستة: حدیث قبول کرنے کی چھ شرائط ہیں۔

(۱) اتصال السند. حدیث کی سند کا متصل ہونا۔

(۲) و عدالة الرجال. رجال کا عادل ہونا۔

(۳) والسلامة من کل خطأ و غفلة. خطا اور غفلت سے محفوظ ہونا۔

(۴) ومجيء الحدیث من وجه آخر. دوسرے طریق سے بھی ثابت ہونا۔ (یعنی ضعیف حدیث متعدد طرق سے حسن لغیرہ میں شامل ہوجاتی ہے)۔

(۵) والسلامة من الشذوذ. شذوذ سے محفوظ ہونا۔

(۶) والسلامة من العلة القادحة. علتِ قادحہ سے محفوظ ہونا۔

(ظفر الأمانی ص ۱۰۸).

حدیث صحیح کی پانچ شرطیں ہیں: سند کا متصل ہونا، راویوں کا عادل ہونا، ضابط ہونا، اور حدیث کا شذوذ اور علتِ قادحہ سے محفوظ ہونا۔

حدیثِ حسن بھی انھیں صفات کی حامل ہوتی ہے، البتہ اس کے کسی راوی میں ضبط کے اعتبار سے معمولی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حدیث نہ تو صحیح کہی جاسکتی ہے اور نہ ہی ضعیف میں شمار ہوتی ہے، حسن کی ایک قسم وہ ضعیف حدیث ہے جو تعددِ طرق کی وجہ سے قوت پاکر حسن بن جاتی ہے، اور جو حدیث اس سے بھی فروتر ہو وہ ضعیف کہلاتی ہے جس کے مراتب مختلف ہوتے ہیں، سب سے گھٹیا موضوع ہے۔

صحیح اور حسن کے تو قابل استدلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ جمیع ابوابِ دین میں مراتب کا خیال کرتے ہوئے ان سے استدلال کیا جاتا ہے، البتہ ضعیف کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ (حدیث اور فہم حدیث ۴۲۵)۔

ضعیف حدیث کی حجیت اوراحکام اورفضائل میں اس کا اعتبار جمہور محدثین اور فقہاء کی نظر میں:

فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کے متعلق محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمایئے:

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

روی الخطیب البغدادی فی " الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع " (رقم: ۱۲۸۰)**: قال: أنا محمد بن أحمد بن یعقوب أنا محمد بن نعیم ، قال: سمعت یحیی بن محمد العنبری، یقول: نا محمد بن إسحاق بن راهویه، قال: کان أبي یحکي عن عبد الرحمن بن مهدی ، أنه کان یقول: إذا روینا فی الثواب والعقاب وفضائل الأعمال ، تساهلنا فی الأسانید والرجال، وإذا روینا فی الحلال والحرام والأحکام تشددنا فی الرجال .**

خطیب بغدادیؒ اپنی متصل سند سے فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہؒ اپنے والد سے عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا قول نقل کرتے تھے: جب ہم ثواب وعقاب اورفضائل کے

بارے میں روایت لیتے ہیں تو اس میں نرمی برتتے ہیں،اور جب ہم حلال وحرام اورشرعی احکام کی روایت لیتے ہیں تو راویوں کی سخت جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

(۲) ابوعمرو بن صلاحؒ اورحدیثِ ضعیف کی حجیت:

قال الشیخ تقي الدین ابن الصلاح : نقاد أهل الحدیث یتسامحون فی أسانید الرغائب والفضائل . (البدر المنیر لابن الملقن: ۲/ ۲۸۰، ط: الریاض).

شیخ تقی الدین ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں: احادیث کو پرکھنے والے محدثین ترغیب اورفضائل والی حدیثوں کی سند میں درگزر سے کام لیتے ہیں۔

قال: یجوز عند أهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الاسانید وروایة ما سوی الموضوع من انواع الحدیث الضعیفة من غیر اهتمام ببیان ضعفها فیما سوی صفات الله تعالی والأحکام الشرعیة من الحلال والحرام و غیرهما وذلک کالمواعظ والقصص وفضائل الاعمال وسائرفنون الترغیب والترهیب، وسائرما لا تعلق له بالاحکام والعقائد ممن روینا عنه التنصیص علی التساهل فی نحوذلک عبد الرحمن بن مهدی و احمد بن حنبل رحمهما الله. (مقدمه ابن الصلاح ص ۹۲)

(۳) خطیب بغدادیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

وقال الخطیب فی " الکفایة فی علم الروایة " (ص ۱۳۳ ،باب التشدید فی احادیث الاحکام والتجوز فی فضائل الاعمال) **قد ورد عن غیر واحد**

من السلف أنه لا یجوز حمل الأحادیث المتعلقة بالتحلیل والتحریم إلا عمن کان بریئاً من التهمة بعیداً من الظنة ، وأما أحادیث الترغیب والمواعظ ونحو ذلک فإنه یجوز کتبها عن سائر المشایخ ثم أسند هذه الآثار التالیة :

خطیب بغدادیؒ اپنی کتاب ''الکفایہ'' میں فرماتے ہیں: بہت سے سلف سے یہ بات منقول ہے کہ حلال وحرام سے متعلق حدیث صرف اسی شخص سے لینا درست ہے جو ہر قسم کی تہمت اور بدگمانی سے بری اور دور ہو؛ البتہ وعظ اور ترغیب وغیرہ کی حدیثوں کو سب مشائخ سے لیا جا سکتا ہے۔ پھر خطیبؒ نے درجِ ذیل آثار ذکر کیے ہیں:

(۴) حضرت سفیان ثوریؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

١ / عن سفیان الثوری قال: لا تأخذوا هذا العلم فی الحلال والحرام إلا من الرؤساء المشهورین بالعلم الذین یعرفون الزیادة والنقصان ، ولا بأس بما سوی ذلک من المشایخ .

١۔ سفیان ثوریؒ سے منقول ہے: حلال وحرام سے متعلق حدیث کے علم کو صرف انھیں محدثین سے لو جو اس فن میں مشہور ومعروف، اور اس فن کی باریکیوں سے آگاہ ہیں اور باقی حدیثوں کو دوسرے مشائخ سے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) حضرت سفیان بن عیینہؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

٢ / عن سفیان بن عیینة قال: لا تسمعوا من بقیة ما کان فی سنة واسمعوا منه ما کان فی ثواب وغیره .

٢۔ سفیان بن عیینہؒ سے منقول ہے: بقیہ (محدث) سے احکامات کے بارے میں کوئی حدیث نہ لو، اور جو حدیث ثواب اور اس کے علاوہ کے بارے میں ہو وہ لے لو۔

(٦) امام احمد بن حنبلؒ اور فضائل میں تساہل:

٣ / عن أحمد بن حنبل قال : إذا روینا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الحلال والحرام والسنن والأحکام تشددنا فی الأسانید وإذا روینا عن النبی صلی الله علیه وسلم فی فضائل الأعمال وما لا یضع حکماً ولا یرفعه تساهلنا فی الأسانید .

٣۔ احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے: جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حرام و حلال، سنن و احکام سے متعلق کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو ہم اس کی سند کے بارے میں سختی سے کام لیتے ہیں، اور جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعمال کی فضیلتوں، اور ایسی حدیثوں کے بارے میں روایت کرتے ہیں جن سے شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہو رہا ہو تو ہم سند میں نرمی سے کام لیتے ہیں۔

(٧) شیخ ابو زکریا عنبری اور ترغیب وترہیب میں چشم پوشی:

۴ / عن أبی زکریا العنبری قال: الخبر إذا ورد لم یحرم حلالاً ولم یحل حراماً ، ولم یوجب حکماً ، وکان فی ترغیب أو ترهیب أو تشدید أو ترخیص : وجب الإغماض عنه والتساهل فی رواته . انتهی النقل عن الخطیب .

۴۔ ابو زکریا العنبریؒ سے منقول ہے: کوئی حدیث جب کسی حلال شئی کو حرام

نہیں کر رہی اور حرام شئی کو حلال نہیں کر رہی، اور نہ ہی اس سے شریعت کا کوئی حکم ثابت ہو رہا ہے، بلکہ وہ حدیث صرف ترغیب وترہیب یا حکم میں رخصت یا شدت بتلانے کے لیے ہے، تو ضروری اور لازم ہے کہ اس کے راویوں کے بارے میں چشم پوشی اور نرمی سے کام لیا جائے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا موقف:

الجرح والتعديل میں ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: **باب في الآداب والمواعظ أنها تحتمل الرواية عن الضعاف ؛ قال: حدثني أبي نا عبدة بن سليمان قال: قيل لابن المباركؒ وروى عن رجل حديثاً فقيل: هذا رجل ضعيف، فقال: يحتمل أن يروى عنه هذا القدر أو مثل هذه الأشياء، قلت لعبدة: مثل أي شيء كان؟ قال: في أدب ، في موعظة ، في زهد أو نحو هذا .** (الجرح والتعديل : ٢/٣٠،ط: دائرة المعارف العثمانية).

یعنی عبدالرحمٰن بن ابی حاتم اپنے والد سے اور وہ عبدہ بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارکؒ نے ایک راوی سے روایت نقل کی تو ان پر اشکال ہوا کہ وہ راوی ضعیف ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: اس جیسی روایات اس جیسے راوی سے نقل کرنا جائز ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ میں نے عبدہ سے پوچھا اس جیسی کا کیا مطلب؟ تو عبدہ بن سلیمان نے کہا: ادب واخلاق، پند ونصیحت اور زہد وتقویٰ وغیرہ میں ضعیف رواۃ سے نقل کرنا جائز ہے۔

(۹) امام یحییٰ بن معین اور مغازی میں حدیث ضعیف کا اعتبار:

قال عثمان بن سعيد الدارمي: سألت يحيى بن معين عن البكائي أعني زياداً فقال: لا بأس به في المغازي وأما في غيره فلا . وسألت يحيى قلت: عمن أكتب المغازي ممن يروي عن يونس أو غيره قال اكتبه عن أصحاب البكائي . (تاريخ يحيى بن معين ،ص ١١٤ ، رقم: ٣٤٨).

امام یحییٰ بن معینؒ نے مغازی میں احادیثِ ضعاف کی اجازت دی ہے۔

(۱۰) امام بخاریؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

امام بخاریؒ نے مقامِ احتیاط میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، صحیح بخاری شریف میں فخذ کے ستر میں داخل ہونے کی روایت جرہد سے مروی ہے اور عدمِ ستر کی روایت حضرت انس ؓ سے مروی ہے جو صحیح ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں: **باب ما يذكر في الفخذ ويروى عن ابن عباس ؓ وجرهد ومحمد بن جحش عن النبي صلى الله عليه وسلم:" الفخذ عورة " وقال أنس ؓ : حسر النبي صلى الله عليه وسلم عن فخذه وحديث أنس ؓ أسند وحديث جرهد أحوط حتى يخرج من اختلافهم .** (صحيح البخاري: ١/٥٣، ط : فيصل) اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ حدیثِ جرہد حسن ہے لیکن امام بخاری کی شرط پر نہیں تھی تو امام بخاریؒ کا استدلال حسن سے ہے نہ کہ ضعیف سے۔ تو ادباً عرض ہے کہ امام بخاریؒ کی کتاب " **الأدب المفرد** " میں تقریباً ۲۰۰ سے زیادہ ضعیف احادیث ہیں۔ لیکن ان کا تعلق آداب، اخلاق اور فضائل سے ہے۔ اور امام بخاریؒ فضائل میں ضعیف احادیث سے استدلال کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی "**الجامع الصحيح**" میں فضائل میں ضعیف راوی کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حدثنا عبد العزيز بن عبد الله الأويسي قال حدثني إبراهيم بن سعد

عن ابن شهاب أن عطاء بن يزيد أخبره أن حمران مولى عثمان أخبره أنه رأى عثمان بن عفان دعا بإناء فأفرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ثم أدخل يمينه في الإناء ...الخ . (رواه البخاری : ۱/۲۷، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً).

اس روایت کی سند میں حمران مولی عثمان ضعیف راوی ہے محدثین نے اس پر بہت کلام کیا ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے ثقہ بھی کہا ہے۔ امام بخاریؒ نے ان سے وضو کی فضیلت میں حدیث لی ہے۔ **قال الدكتور بشار عواد : ومعلوم أن الإمام البخاری يترخص في الرواية عمن في حديثه ضعف في غير الأحكام كالمغازی والشمائل والتفسير والرقاق كما بينه الذهبي في الموقظة** . (تحریر تقریب التهذیب: ۱/۱۰۴).

اورحمران بن ابان کے بارے میں لکھا ہے: **وقال ابن سعد لم أرهم يحتجون بحديثه وأورده البخاری في الضعفاء ، قلت: ويظهر من جماع ترجمته أن الرجل لم يكن أميناً الأمانة التي تودی إلى توثيقه توثيقاً مطلقاً**. (تحریر تقریب التهذیب: ۱/۳۲۱، وكذا في حاشية تهذيب الكمال : ۷/۳۰۴).

حدیث "**من عادیٰ لي ولياً فقد آذنته بالحرب...**" امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب التواضع (رقم ۶۵۰۲) میں ذکر فرمایا ہے اور اس کی سند میں خالد بن مخلد راوی ہیں ائمہ حدیث نے ان پر سخت کلام کیا ہے۔ تفصیل کے لیے درجِ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں: (میزان الاعتدال: ۲/۱۶۳/۲۴۶۳، وتحریر تقریب التہذیب: ۱/۳۵۲، وسیر اعلام النبلاء مع الحاشیۃ: ۱۰/ ۲۱۸ و۱۸/ ۶۱۱، وحاشیۃ تہذیب الکمال للدکتور بشار عواد: ۸/ ۱۶۶)، نیز دوسرے راوی شریک بن عبداللہ پر بھی کلام ہے، بخاری میں حدیث معراج عجیب وغریب طریقے پر روایت کرتے ہیں۔ **قال الشيخ بشار: فيه مقال وهو راوي حديث المعراج الذي زاد فيه ونقص وقدم وأخر، وتفرد بأشياء لم يتابع عليها.**

(حاشية سير اعلام النبلاء: ۱۸ : ۶۱۱). خالد بن مخلد کی صحیح بخاری میں تقریباً ۳۰ روایات ہیں، اکثر فضائل میں ہیں۔

حدیث "**كن في الدنيا كأنک غريب**" امام بخاریؒ نے اس کو کتاب الرقاق (رقم: ۶۴۱۶) میں ذکر فرمایا اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی موجود ہیں، ان کو ابو زرعہ نے منکر الحدیث کہا ہے، (**تهذيب الكمال: ۲۵/ ۶۵۴**) حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری ص ۶۱۵ پر تحریر فرمایا ہے: **وهذا انفرد به الطفاوی وهو من غرائب الصحيح وكان البخاری لم يشدد فيه لكونه من أحاديث الترغيب والترهيب** .

صحیح بخاری کتاب الجہاد میں امام بخاریؒ نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے: **كان للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم في حائطنا فرس يقال له اللحيف**" (رقم: ۲۸۵۵) اس کی سند میں ابی بن عباس بن سہل ہیں، جن کو امام احمد، نسائی، یحی بن معین اور خود امام بخاری نے ضعیف کہا ہے پھر بھی ان سے روایت لی اس لیے کہ یہ حدیث احادیثِ احکام میں سے نہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ (تہذیب التہذیب: ۱/ ۱۶۸).

اسی طرح امام بخاریؒ کی یہ حدیث " **عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً على من دونه فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: هل تنصرون وترزقون إلا بضعفاء كم ، الخ** ". (رقم: ۲۸۹۶) اس کی سند میں محمد بن طلحہ عن طلحہ موجود ہے ان کو امام نسائی، یحیی بن معین وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، لیکن چونکہ اس حدیث کا تعلق فضائل اعمال سے ہے اس لیے قابل تسامح ہے۔ (مقدمہ، ۶۱۳).

اسی طرح امام بخاریؒ نے باب الاستسقاء (۱/ ۱۳۷) میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار سے روایت بیان کی ہے جب کہ عبدالرحمٰن پر بھی کلام ہے۔

قال عباس الدوری عن يحی بن معين في حديثه عندي ضعف. وقال أبو حاتم: فيه لين يكتب حديثه ولا يحتج به. وقال: أبو أحمد بن

عدي : وبعض ما يرويه منكر لايتابع عليه وهو في جملة من يكتب حديثه من الضعفاء. (تهذيب الكمال:۱۷/۲۰۹).

اگرچہ شراحِ حدیث نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ عبدالرحمٰن کا متابع عمر بن حمزہ بعد میں موجود ہے اس وجہ سے یہ روایت صحیح کی قسم میں شامل ہوجاتی ہے۔ لیکن علامہ عینیؒ نے اس کو محل نظر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فإن قلت: عمر بن حمزة هذا متكلم فيه وكذلك عبد الرحمن بن عبد اللّه بن دينار مختلف فی الاحتجاج به...فكيف أوردهما البخاری في صحيحه ؟ قلت: أجيب بأن إحدى الطريقين اعتضدت بالأخرى وهو من أمثلة أحد قسمي الصحيح كما تقرر في موضعه وفيه نظر لا يخفى. (عمدة القاری:۵/۲۵۴،ط: دارالحديث ملتان،و فتح الباری : ۲/ ۴۹۷، دارالمعرفة).

مولانا عبداللہ معروفی استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند نے بھی اصولِ حدیث پر تحریر شدہ اپنی کتاب ''حدیث اور فہمِ حدیث'' میں یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ امام بخاریؒ نے فضائل اعمال میں بعض متکلم فیہ راویوں سے بعض احادیث لی ہیں۔

ملاحظہ ہو: (حدیث اور فہم حدیث،ص ۴۳۵ تا ۴۳۷،مکتبہ عثمانیہ)۔

(۱۱) امام احمد بن شعیب النسائیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

امام محمد بن اسحاق بن محمد بن مندہ شروط الائمہ میں امام نسائیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں؛ امام نسائیؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر اس راوی سے روایت لیتے ہیں جس کے ترک پر اجماع نہ ہو۔ **كان من مذهب النسائی أن يخرج عن كل من لم**

يجمع على تركه . (فضل الاخيار وشرح مذاهب اهل الآثار وحقيقة السنن، ص ۷۳،ط: الرياض). چنانچہ سنن نسائی مجتبیٰ، سنن نسائی کبریٰ، وغیرہ کتب میں کثیر تعداد میں ضعیف روایتیں ہیں، جن سے احکام میں استدلال فرمایا ہے۔اور عمل الیوم واللیلہ میں خود امام نسائیؒ نے رواۃ پر کلام کیا ہے۔

(۱۲) امام ابوداودؒ اور حدیثِ ضعیف کی حجیت:

۱۔ غسل جنابت کے تحت ضعیف روایت سے استدلال فرمایا ہے؛ **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّه صلى الله عليه وسلم: إن تحت كل شعرة جنابة فاغسلوا الشعر و انقوا البشر. قال ابوداود : الحارث بن وجيه حديثه منكر و هو ضعيف.** (سنن أبي داود،رقم: ۲۴۸، باب الغسل من الجنابة).

۲۔ سمکِ طافی کا کھانا جائز نہیں ہے اور روایت ضعیف ہے: **عن جابر بن عبد اللّه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما ألقى البحر أو جزر عنه فكلوه وما مات فيه وطفا فلا تأكلوه. قال أبوداود: روى هذا الحديث سفيان الثورى وأيوب وحماد عن أبى الزبير أوقفوه على جابر وقد أسند هذا الحديث أيضاً من وجه ضعيف...الخ.** (سنن ابى داود، رقم: ۳۸۱۷، باب فى اكل الطافى من السمک).

قال محمد بن إسحاق بن محمد بن منده في شروط الائمة (ص۷۳) **: وكان أبوداود السجستاني كذلك يأخذ مأخذه [النسائی] ويخرج الإسناد الضعيف لأنه أقوى عنده من رأى الرجال .**

یعنی ابن مندہ نے فرمایا: امام ابوداودؒ کا طریقہ بھی یہی ہے کہ جب کسی باب میں

ضعیف روایت کے علاوہ کوئی روایت نہ ہوتو ضعیف روایت لیتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں،اس لئے کہ ضعیف روایت ان کے نزدیک لوگوں کی رائے سے قوی ہے۔

قال الإمام أبوداود في رسالته لأهل مكة : قد يوجد المرسل والمدلس عند عدم وجود الصحاح : وإن من الأحاديث فی کتابي "السنن" ما ليس بمتصل و هو مرسل و مدلس و هو إذا لم توجد الصحاح عند عامة أهل الحديث على معنى أنه متصل وهو مثل الحسن عن جابر والحسن عن أبي هريرة رضي الله عنه والحكم عن مقسم عن ابن عباس رضي الله عنه ليس بمتصل . (رسالة ابی داودالی اهل مكة وغيرهم فی وصف سننه، ص ٣٠، ط: دارالعربية).

مذکورہ بالاعبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابوداودؒ نے حدیث منقطع کو قابل عمل قرار دیا جب اس باب میں کوئی صحیح حدیث موجود نہ ہواور منقطع ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جب صرف مرسل حدیث ہواور مسند نہ ہوتو مرسل قابل احتجاج ہے لیکن قوت میں مسند سے کم ہے۔

قال: فإذا لم يكن غير المراسيل ولم يوجد المسند فالمرسل يحتج به و ليس هو مثل المتصل فی القوة . (رسالة ابی داود،ص ٢٥،ط: بيروت).

امام ابوداودؒ نے اپنی سنن احکام اور مسائل میں مرتب فرمائی ہے،فضائل اور زہد وغیرہ میں مرتب نہیں فرمائی،اس کے باوجود احادیثِ ضعاف سے استدلال فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں: وإنما لم أصنف في كتاب السنن إلا الأحكام ولم أصنف كتب الزهد وفضائل الأعمال وغيرها، فهذه

الأربعة آلاف والثمانمائة كلها في الأحكام فأما أحاديث كثيرة في الزهد والفضائل وغيرها من غير هذا لم أخرجه . (رسالة ابی داود، ص ٣٤، ٣٥، ط: بيروت).

(١٣) امام ترمذیؒ اور حدیثِ ضعیف کی حجیت:

سنن ترمذی شریف میں سینکڑوں مثالیں ایسی ہیں کہ حدیث ضعیف کے بارے میں امام ترمذیؒ نے فرمایا: اہل علم کا عمل اسی حدیث کے موافق ہے، پھر بعض مرتبہ وہ حدیث احکام میں بھی معمول بہ ہے اور اکثر فضائل میں ہوتی ہے۔ چند مثالیں بطورِ مشتے نمونہ ازخروارے" ملاحظہ کیجیے:

١۔ باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين؛ حدثنا أبوسلمة يحيى بن خلف البصري، قال: حدثنا المعتمر بن سليمان، عن أبيه، عن حنش (ضعيف)، عن عكرمة ، عن ابن عباس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد أتى باباً من أبواب الكبائر. وحنش هذا هو أبوعلي الرحبي، وهوحسين بن قيس، وهو ضعيف عند أهل الحديث، ضعفه أحمد وغيره. والعمل على هذا عند أهل العلم . (سنن الترمذی،رقم:١٨٨).

فقہاء کے یہاں بلاعذر دونمازوں کو جمع کر کے پڑھنا مکروہِ تحریمی اور گناہِ کبیرہ ہے، یہ حکمِ شریعت ہے جو حدیثِ ضعیف سے ثابت ہوا۔ اگر چہ یہ حکم دوسری نصوص سے بھی ثابت ہے جیسے: ﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون﴾.[الماعون:٥]

٢۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ جواذان دے اقامت بھی اسی کا حق

ہے،اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کا اقامت کہنا مکروہ ہے۔اور حدیث ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: **باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم ؛ حدثنا هناد حدثنا عبدة و يعلى عن عبد الرحمن بن زياد بن أنعم الإفريقي (ضعيف) عن زياد بن نعيم الحضرمي عن زياد بن الحارث الصدائي ؓ قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر فأذنت فأراد بلال أن يقيم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخا صداء قد أذن ومن أذن فهو يقيم، قال أبوعيسىٰ: وحديث زياد إنما نعرفه من حديث الإفريقي والإفريقي هوضيعف عند أهل الحديث ضعفه يحيى بن سعيد القطان وغيره...والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم .** (سنن الترمذی ،رقم: ١٩٩).

٣۔ بوقتِ خطبہ امام کی طرف متوجہ ہونا مستحب ہے۔صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے۔حدیث ضعیف ہے؛ ملاحظہ ہو:

عن عبد الله بن مسعود ؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا استوى على المنبر استقبلناه بوجوهنا... ومحمد بن الفضل بن عطية ذاهب الحديث عند أصحابنا، والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم يستحبون استقبال الإمام إذا خطب وهو قول سفيان الثوري والشافعي وأحمد وإسحاق، ولا يصح في هذا الباب عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء.

(سنن الترمذی ،رقم: ٥٠٩،باب استقبال الامام اذا خطب).

٤۔ دوسجدوں کے درمیان میں اقعاء مکروہ ہے،اور حدیث اس بارے میں ضعیف ہے: **عن علي ؓ قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا علي أحب لك ما أحب لنفسي وأكره لك ما أكره لنفسي لا تقع بين السجدتين . هذا حديث لا نعرفه من حديث علي إلا من حديث أبي إسحاق عن الحارث عن علي وقد ضعف بعض أهل العلم الحارث الأعور، والعمل على هذا الحديث عند أكثر أهل العلم يكرهون الإقعاء.** (سنن الترمذی،رقم: ٢٨٢،باب كراهية الاقعاء في السجود).

٥۔ رکوع،سجدہ میں تین مرتبہ تسبیح سنت ہے اس سے کم نہیں کرنا چاہیے،اور حدیث ضعیف ہے؛ ملاحظہ ہو: **عن ابن مسعود ؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا ركع أحدكم فقال في ركوعه: سبحان ربي العظيم ثلاث مرات فقد تم ركوعه وذلك أدناه وإذا سجد فقال في سجوده: سبحان ربي الأعلىٰ، ثلاث مرات فقد تم سجوده وذلك أدناه ، قال أبوعيسى: حديث ابن مسعود ؓ ليس إسناده بمتصل عون بن عبد الله بن عتبة لم يلق ابن مسعود ؓ والعمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن لا ينقص الرجل في الركوع والسجود من ثلاث تسبيحات . وروى عن عبد الله بن المبارك أنه يستحب للإمام أن يسبح خمس تسبيحات لكي يدرك من خلفه ثلاث تسبيحات .** (سنن الترمذی ، رقم: ٢٦١).

٦۔ باندی کی عدت دو حیض ہے،ضعیف حدیث سے ثابت ہے؛ **عن عائشة ؓ**

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: طلاق الأمة تطليقتان وعدتها حيضتان....والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم وهوقول سفيان الثوري والشافعي وأحمد وإسحاق . (سنن الترمذي، رقم: ١١٨٢).

۷۔ معتوہ یعنی مجنون کی طلاق واقع نہ ہونے کے بارے میں حدیث ضعیف ہے اور عمل اسی کے مطابق ہے؛ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل طلاق جائز؛ إلا طلاق المعتوه المغلوب على عقله...وعطاء بن عجلان ضعيف الحديث ذاهب الحديث، والعمل على هذا عند أهل العلم . (سنن الترمذي، رقم: ١١٩١).

۸۔ مجلس نکاح مسجد میں منعقد کرنا مستحب ہے اور حدیث ضعیف ہے؛ عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف...وعيسى بن ميمون الأنصاري يضعف في الحديث. (سنن الترمذي: ۱/۲۰۷، ط: فيصل)، وينظر للمزيد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا (۴/۶۸۹)۔

امام ترمذیؒ نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ وہ اپنی کتاب میں صرف اسی حدیث کا اخراج فرمائیں گے جس پر کسی فقیہ نے عمل کیا ہو یا جس سے کسی استدلال کرنے والے نے استدلال کیا ہو، چنانچہ کتاب العلل جو جامع ترمذی کے آخر میں ملحق ہے اس میں امام فرماتے ہیں: میری اس کتاب میں جو بھی احادیث ہیں ان پر کسی نہ کسی فقیہ کا عمل ہے سوائے دو حدیثوں کے، ایک تو وہ حدیث جس میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے بغیر کسی سفر اور عذر کے جمع بین الصلاتین فرمایا، دوسری وہ حدیث جس میں شارب خمر کو چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ (حدیث اور فہم حدیث، ص۲۰۰)۔

(۱۴) امام ابن ماجہؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

سنن ابن ماجہ شریف کی چند ضعیف احادیث جن پر عمل در آمد ہے؛

۱۔ بلا عذر کھڑے کھڑے پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور روایت ضعیف ہے؛ عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبول قائماً . وفي الزوائد: عدى بن الفضل؛ اتفقوا على ضعفه . (سنن ابن ماجه، رقم: ٣٠٩).

۲۔ منبر پر خطیب کا سلام کرنا، اکثر علماء کے نزدیک مستحب ہے، بعض علمائے احناف کے ہاں بھی درست ہے، ابن ماجہ شریف کی ایک ضعیف روایت سے ثابت ہے؛ عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صعد المنبر سلم. وفي الزوائد: في إسناده ابن لهيعة وهو ضعيف. (سنن ابن ماجه، رقم: ١١٠٩). آج کل سلفیوں کے یہاں یہ حدیث متواتر کے درجہ میں ہے۔ شیخ البانی نے تمام المنہ، اور السلسلۃ الصحیحہ میں اس کے شواہد بیان کیے ہیں۔

۳۔ جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت والی روایت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً، لايفصل في شيء منهما. في الزوائد: إسناده مسلسل بالضعفاء . (سنن ابن ماجه، رقم: ١١٢٩).

لیکن اس روایت کی ایک سند کو محدثین نے صحیح کہا ہے: عن أبي إسحاق عن

عاصم عن علي ﷺ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يصلي قبل الجمعة أربعاً و بعدها أربعاً، رواه الحافظ أبوالحسن الخلعي في فوائده وهكذا قال أبوزرعة في "شرح التقريب" (٣/٤٢). (سلسلة الاحاديث الضعيفة: ٣/٤٧/١٠٠١).

۴۔اوابین کی نماز مستحب ہے اور حدیث ضعیف ہے؛ عن أبي هريرة ﷺ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة . (سنن ابن ماجه ، رقم: ١١٦٧).

۵۔ عیدین میں غسل سنت ہے اور ابن ماجہ کی حدیث ضعیف ہے؛ عن ابن عباس ﷺ قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يغتسل يوم الفطر ويوم الأضحى، في الزوائد: هذا إسناد فيه جبارة وهوضعيف، وحجاج بن تميم ضعيف أيضاً. (سنن ابن ماجه ، رقم: ١٣١٥)

۶۔ نمازِ چاشت مستحب ہے، اور بارہ رکعت والی حدیث ضعیف ہے: عن أنس بن مالك ﷺ قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من صلى الضحى ثنتي عشرة ركعة بنى اللّٰه له قصراً من ذهب في الجنة . (سنن ابن ماجه،رقم: ١٣٨٠). إسناده ضعيف لجهالة موسى بن انس.

دوسری حدیث میں ہے: عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حافظ على شفعة الضحى غفرت له ذنوبه وإن كانت مثل زبد البحر. (سنن ابن ماجه،١٣٨٢). إسناده ضعيف لضعف

النهاس بن قهم . راجع : التعليقات على مسند الامام احمد للشيخ شعيب ،رقم: ٦١٧٩).

۷۔ نمازِ حاجت کے بارے میں روایت ضعیف ہے؛ عن عبد اللّٰه بن أبى أوفى الأسلمى قال: خرج علينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: من كانت له حاجة إلى اللّٰه أو أحد من خلقه فليتوضأ وليصل ركعتين، ثم ليقل: لا إله إلا اللّٰه الحليم الكريم...الخ. (سنن ابن ماجه، ١٣٨٤).

۸۔ پندرہ شعبان کا روزہ مستحب ہے اور روایت ضعیف ہے؛ عن علي بن أبي طالب ﷺ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذاكانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها...الخ. (سنن ابن ماجه، رقم: ١٣٨٨).

۹۔ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار نماز کی فضیلت والی روایت ضعیف ہے؛ عن أنس بن مالك ﷺ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: صلاة الرجل في بيته بصلاة و صلاته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاة و صلاته فى المسجد الذى يجمع فيه بخمس مائة صلاة وصلاته فى المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة ، وصلاته فى مسجدي بخمسين ألف صلاة...وفى الزوائد: إسناده ضعيف. (سنن ابن ماجه، ١٤١٣).

۱۰۔ عرفات کے لیے غسل مسنون ہے اور حدیث ضعیف ہے؛ عن عبد الرحمن بن عقبة بن الفاكه بن سعد، عن جده الفاكه بن سعد، وكانت له صحبة، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يغتسل يوم الفطر و

يوم النحر ويوم عرفة. وكان الفاكه يأمر أهله بالغسل في هذه الأيام .
قال الشيخ شعيب: إسناده تالف، يوسف بن خالد وهو ابن عمير السمتي، ضعيف جداً...الخ. (سنن ابن ماجه مع تعليقات الشيخ شعيب الارنؤوط: ۲/۳۴۷،ط:دارالرسالة العالمية).

وينظر: مصباح الزجاجة (۱/۱۵۲،ط:بيروت).

۱۱۔ وضومیں تسمیہ سنت ہے اور حدیث ضعیف ہے؛ عن ربيح بن عبد الرحمن بن أبي سعيد ، عن أبيه عن أبي سعيد، أن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم قال: لا وضوء لمن لم يذكر اسم اللّٰہ عليه. قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف، لضعف ربيح بن عبد الرحمن وكثير بن زيد ...الخ. (سنن ابن ماجه مع تعليقات الشيخ شعيب الارنؤوط: ۱/۲۵۲). وينظر: مصباح الزجاجة (۱/۵۹).

۱۲۔ عیدین کی تکبیرات (عندالشافعیہ) کی حدیث ضعیف ہے:عن عبد الرحمن بن سعد بن عماربن سعد مؤذن رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم حدثني أبي عن أبيه عن جده، أن رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم كان يكبر فى العيدين فى الأولى سبعاً قبل القراءة وفى الآخرة خمساً قبل القراءة. قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف لضعف عبدالرحمن بن سعد ، و جهالة أبيه...ويغني عنه الحديث الذى بعده. (سنن ابن ماجه مع تعليقات الشيخ: ۲/۳۲۶).

البتہ شیخ شعیب الارنووطؒ صاحب نے بعدوالی چندروایتوں کوحسن لغیرہ فرمایاہے۔

۱۳۔ وضوعلی الوضوکوفقہاء مستحب لکھتے ہیں اورحدیث ضعیف ہے؛عن أبي غطيف الهذلي قال: سمعت عبد اللّٰہ بن عمر بن الخطاب ﷺ في مجلسه فى المسجد ، فلما حضرت الصلاة قام فتوضأ وصلى، ثم عاد إلى مجلسه، فلما حضرت العصر قام فتوضأ وصلى، ثم عاد إلى مجلسه فلما حضرت المغرب قام فتوضأ وصلى، ثم عاد إلى مجلسه، فقلت: أصلحك اللّٰہ ، أفريضة أم سنة ، الوضوء عندكل صلاة ، أو فطنت إلى، وإلى هذا مني ؟ فقلت: نعم، فقال: لا لو توضأت لصلاة الصبح ، لصليت به الصلوات كلها، مالم أحدث ولكني سمعت رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم يقول: من توضأ على كل طهر، فله عشر حسنات، وإنما رغبت فى الحسنات .

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف لضعف عبد الرحمن بن زياد الإفريقي، وجهالة أبي غطيف. (سنن ابن ماجه مع تعليقات الشيخ شعيب : ۱/۳۲۱).

۱۴۔ نفاس کی اکثر مدت چالیس دین ہے اورحدیث ضعیف ہے؛عن أنس ﷺ قال: كان رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم وقت للنفساء أربعين يوماً إلا أن ترى الطهر قبل ذلك . (سنن ابن ماجه ،رقم: ۶۴۹)،قال الدارقطني: لم يروه عن حميد غير سلام هذا ، وهوضعيف . (نصب الراية ۱/۲۰۵)، ہاں مسنداحمد وغیرہ کی روایت کوشیخ شعیب الارنؤوطؒ نے حسن لغیرہ فرمایاہے۔
راجع: (تعليقات الشيخ شعيب على مسنداحمد:۲۶۵۶۱).

اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری روایاتِ ضعیفہ ہیں جن پر عمل درآمد ہے۔ بلکہ شیخ محمد عوامہ نے تحریر فرمایا ہے کہ محدثین کا عام معمول یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کوئی صحیح روایت نہ ہو تو ضعیف پر عمل کرتے ہیں؛ **قال وهذا هو المذهب الشائع عنه: أن الضعيف يعمل به إذا لم يوجد فى الباب غيره، بل هذا مذهب عامة أهل الحديث، كما ترى .** (حكم العمل بالحديث الضعيف، ص٤٣).

ائمہ اربعہ کے نزدیک ضعیف حدیث کی حجیت:

ائمہ اربعہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں؛ احکام اور فضائل دونوں میں، جبکہ اس باب میں اس کے علاوہ کوئی روایت نہ ہو بلکہ اقوالِ صحابہ پر بھی عمل کرتے ہیں۔

(١٥) امام ابوحنیفہ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

حدثنا ابن المبارك قال: سمعت أباحنيفةؒ يقول: إذا جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم فعلى الرأس والعين، وإذا جاء عن الصحابة نختار من قولهم ، وإذا جاء عن التابعين زاحمناهم . (مسند أبى حنيفة من رواية ابى نعيم : ١/٢٢، مكتبة الكوثر).

وأخرج ابن أبى العوام بسنده إلى أبي يوسفؒ قال: كان أبوحنيفةؒ إذا وردت عليه المسألة قال: ما عندكم فيها من الآثار؟ فإذا روينا الآثار وذكرنا وذكر هو ما عنده نظر، فإن كانت الآثار في أحد القولين أكثر، أخذ بالأكثر، فإذا تقاربت وتكافأت نظر فاختار . (تانيب الخطيب، ص٨٦).

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں :

أصحاب أبي حنيفةؒ مجمعون على أن مذهب أبي حنيفةؒ أن ضعيف الحديث عنده أولىٰ من القياس والرأي وعلى هذا بنى مذهبه كما قدم حديث القهقهة مع ضعفه على القياس والرأي، وحديث الوضوء بنبيذ التمر فى السفر مع ضعفه على الرأي والقياس، ومنع قطع السارق بسرقة أقل من عشرة دراهم والحديث فيه ضعيف، و جعل أكثر الحيض عشرة أيام و الحديث فيه ضعيف ، و شرط في إقامة الجمعة المصر والحديث فيه كذلك ، و ترك القياس المحض في مسائل الآبار لآثار فيها غير مرفوعة فتقديم الحديث الضعيف وآثار الصحابة على القياس و الرأي قوله (الإمام أبوحنيفةؒ) و قول الإمام أحمد . (اعلام الموقعين: ١/٦٤).

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

جميع الحنفية مجمعون على أن مذهب أبي حنيفةؒ أن ضعيف الحديث عنده أولىٰ من الرأي فتأمل هذا الامتناع بالأحاديث وعظيم جلالتها و موقعها عنده . كذا فى الخيرات الحسان .

وقال العلامة المحدث علي القاريؒ فى المرقاة: إن مذهبهم القوى تقديم الحديث الضعيف على القياس المجرد الذى يحتمل التزييف . (قواعد فى علوم الحديث ص٩٦).

وعلى هامشه قال الشيخ عبد الفتاح أبوغدةؒ :

وقال ابن حزم أيضاً في كتابه " الإحكام في أصول الأحكام"

(٥٤/٧): قال أبو حنيفةؒ: الخبر الضعيف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أولى من القياس ولا يحل القياس مع وجوده .

قال الشيخ عبد الفتاحؒ: بل اختلف ساداتنا الحنفية فيما إذا تعارض قول الصحابي والقياس فأيهما يقدم ؟

قال فخر الإسلام البزدويؒ: أقوال الصحابة مقدمة على القياس، سواء كان فيما يدرک بالقياس أولا، وفي هذا إبطال دعوى المتقولين على الحنفية . (حاشية قواعد فی علوم الحديث ص ٩٦).

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن قیمؒ نے فرمایا: احناف کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث قیاس اوررائے سے اولیٰ اور بہتر ہے۔

اور مذہب احناف کی بنیاد اسی پر ہے۔ نیز علامہ ابن حزمؒ نے بھی یہی فرمایا کہ ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے احناف کے نزدیک قیاس کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں۔

اورابن قیمؒ نے فرمایا: آثارِصحابہ بھی قیاس اوررائے پر مقدم ہیں یہ حنفیہ اورامام احمد کا قول ہے، نیز شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے فخر الاسلام بزدویؒ کا قول نقل فرمایا کہ اقوالِ صحابہ بھی قیاس پر مقدم ہیں چاہے مدرک بالقیاس ہوں یا نہ ہوں۔

مذہبِ احناف میں قیاس کے مقابلہ میں حدیثِ ضعیف پر عمل درآمد ہونے کی چند مثالیں علامہ ابن قیمؒ نے ذکر فرمائی ہیں:

(۱) قہقہہ والی حدیث۔

(۲) نبیذ تمر سے وضو کی حدیث۔

(۳) ۱۰ دراہم میں قطعِ سارق والی حدیث۔

(۴) حیض کی اکثر مدت والی حدیث۔

(۵) اقامتِ جمعہ میں مصر کی شرط والی حدیث۔ (یادرہے کہ اس کی ایک سند ضعیف ہے اور دوسری سند قوی ہے)۔

(۶) کنویں کے مسائل میں قیاس ترک کیا اور آثار صحابہ پر عمل کیا۔

یہ قوی مذہب ہونے کی علامت ہے اور اسمیں احناف پر اشکالات کرنے والوں کا حل بھی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے مرقات میں فرمایا: احناف کا مذہبِ قوی یہ ہے کہ ضعیف حدیث کو اس قیاس پر مقدم کیا جائیگا جس میں غلطی کا احتمال ہے۔

مزید چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(۷) باوضواذان دینا مستحب ہے، اور حدیث ضعیف ہے: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يا ابن عباس، إن الأذان متصل بالصلاة ، فلا يؤذن أحدكم إلا وهو طاهر . وعبد اللّٰه [بن هارون الفروى] هذا قال ابن عدى : له مناكير . (البدر المنير: ۳/ ۳۹۱).

(۸) سجدہ میں انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت ہے، اور حدیث ضعیف ہے۔ عن عائشةؓ قالت: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سجد استقبل بأصابعه القبلة. (سنن الدارقطنی: ۱۴۸/۲) قال الحافظ فی التلخيص (۱/ ۶۲۰/ ۳۸۵) وفيه حارثة بن أبى الرجال وهو ضعيف.

(۹) خواتین کے لیے سمٹ کر سجدہ کرنا سنت ہے اور حدیث ضعیف ہے؛ روی

أبوداود في المراسيل عن يزيد بن أبي حبيب أنه صلى اللّٰه عليه وسلم مرعلى امرأتين تصليان فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض أن المرأة في ذلک ليست كالرجل، ورواه البيهقي من طريقين موصولين لكن في كل منهما متروک . (التلخيص الحبير: ١/١ ٥٩/٣٦٣).

(١٠) مطاف میں مصلی کے لیے سترہ کی ضرورت نہیں، اورحدیث ضعیف ہے؛

عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلى والرجال والنساء يطوفون بين يديه بغيرسترة مما يلى الحجر الأسود. رواه الطبراني في الكبير وفيه ياسين الزيات، وهو متروک. (مجمع الزوائد: ٢/٢٣).

(١١) نماز میں انگلیاں چٹخانہ مکروہ ہے، اورحدیث ضعیف ہے؛ عن علي رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تفقع أصابعک وأنت في الصلاة . (سنن ابن ماجه،رقم:٩٦٥) قال في الزوائد: في السند : الحارث الأعور وهوضعيف.

(١٦) امام مالکؒ اورحدیثِ ضعیف کی حجیت:

يدل على ذلک تقديمه الحديث المرسل والمنقطع والبلاغات وقول الصحابي على القياس. (راجع : اعلام الموقعين : ١/٣٣) ، وكتابه الموطا أكبر شاهد على ذلک، فهو مشتمل على كثير من الأحاديث المرسلة والمنقطعة .

قال ابن عبدالبر: وأصل مذهب مالکؒ والذى عليه جماعة من

المالكيين أن مرسل الثقة تجب به الحجة ، ويلزم به العمل، كما يجب بالمسند سواء ، [ومعلوم أن المرسل من أقسام الحديث الضعيف] وقال ابن العربي: تحقيق مذهب مالکؒ أنه لا تقبل إلا مراسيل أهل المدينة . (عارضه الاحوذی شرح سنن الترمذی: ١/٢٤٦).

(١٧) امام شافعیؒ اورحدیثِ ضعیف کی حجیت:

امام شافعیؒ نے مراسیل کوچندشرائط کے ساتھ قبول کیاہے، تفصیل کے لیے ''الرسالة''ملاحظہ کیاجاسکتاہے، اوراحادیثِ ضعیفہ کوقیاس پرمقدم کیاہے؛ مثلاً: تقديمه خبر تحريم صَيُدِ وَجٍّ مع ضعفه على القياس. وقدم خبر جواز الصلاة بمكة في وقت النهى مع ضعفه ، و مخالفته لقياس غيرها من البلاد. وقدم في أحد قوليه: حديث: من قاء أو رعف فليتوضأ وليبن على صلاته ، على القياس مع ضعف الخبر وإرساله . تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اعلام الموقعين : ١/٣٢).

(١٨) امام احمد بن حنبلؒ اورحدیثِ ضعیف کی حجیت:

امام احمد بن حنبلؒ کامذہب یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا: ضعیف حدیث مجھے زیادہ محبوب ہے لوگوں کی رائے سے، اس لئے کہ قیاس کی طرف رجوع اس وقت ہے جب کہ نص موجودنہ ہو۔ قال في تدريب الراوي: وهذا أيضا رأى الإمام أحمد، فإنه قال: إن ضعيف الحديث أحب إلى من رأى الرجال، لأنه لا يعدل إلى القياس إلا بعد عدم النص. (تدريب الراوى: ١/١٦٧،ط: آرام باغ كراچی).

قال ابن القيمؒ: الأصل الرابع الأخذ بالمرسل والحديث الضعيف إذا لم يكن فى الباب شيء يدفعه وهو الذى رجحه على القياس. (اعلام الموقعين: ۱/۳۱).

وفيه أيضاً: فإذا لم يكن عند الإمام أحمد فى المسألة نص ولا قول الصحابة أو واحد منهم ولا أثر مرسل أو ضعيف عدل إلى الأصل الخامس و هو القياس . (اعلام الموقعين: ۱/۳۲).

قال عبد الله بن أحمد: سمعت أبي يقول: الحديث أحب إلى من الرأى . (طبقات الحنابلة : ۱/۱۸۰، و اعلام الموقعين: ۱/۶۴).

عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ ضعیف حدیث مجھے رائے سے زیادہ پسند ہے۔

وقال الأثرم : رأيت أبا عبد الله إن كان الحديث عن النبى صلى الله عليه وسلم فى إسناده شيء يأخذ به، إذا لم يجئ خلافه أثبت منه، مثل حديث عمرو بن شعيب ، إبراهيم الهجرى ، وربما أخذ بالمرسل إذا لم يجئ .

وفى الآداب الشرعية نقلاً عن الخلال: وإذا ضعف إسناد الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يكن له معارض قال به، فهذا مذهبه يعنى الإمام أحمد. وقال الخلال أيضاً فى الجامع فى حديث ابن عباس ﷺ في كفارة وطء الحائض قال كأنه يعنى الإمام أحمد: أحب أن لا يترك الحديث وإن كان مضطرباً؛ لأن مذهبه فى

الأحاديث إذا كانت مضطربة ، ولم يكن لها مخالف قال بها. وقال القاضى أبويعلى فى التعليق فى حديث مظاهر بن أسلم: فى أن عدة الأمة قرء ان، مجرد طعن أصحاب الحديث لايقبل حتى يبينوا جهته مع أن أحمد يقبل الحديث الضعيف. (الآداب الشرعية لابن مفلح الحنبلى : ۲/۴۱۳ - ۴۱۴، فصل فى العمل بالحديث الضعيف).

امام احمد بن حنبلؒ کی عبارت پر ایک اشکال اور جواب:

یہاں پر ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول: "إن ضعيف الحديث أحب إلى من رأي الرجال" *کا مطلب ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے یہ بیان فرمایا کہ ضعیف سے مراد متاخرین والی ضعیف نہیں بلکہ متقدمین والی ضعیف مراد ہے یعنی حسن مراد ہے کیونکہ متقدمین میں حدیث کی تقسیم صحیح وضعیف دو تھی پھر امام ترمذیؒ نے حسن کی اصطلاح ایجاد فرمائی۔ ملاحظہ ہو:*

وقال الحافظ ابن تيميةؒ: إثبات الحسن اصطلاح الترمذى وغير الترمذى من أهل الحديث ليس عندهم إلا صحيح وضعيف، والضعيف عندهم ما انحط عن درجة الصحيح ، ثم قد يكون متروكاً وهو أن يكون متهما (بالكذب) أو كثير الغلط، وقد يكون حسناً بأن لايتهم بالكذب ، وهذا معنى قول أحمدؒ: و العمل بالضعيف أولى من القياس . انتهى من " إحياء السنن" نقلاً عن " التحفة المرضية ". (قواعد فى علوم الحديث ص۱۰۰).

وقال ابن القيم : الحديث الضعيف عنده (الإمام أحمد) قسم

الصحيح وقسم من أقسام الحسن ولم يكن يقسم الحديث إلى صحيح وحسن وضعيف بل إلى صحيح وضعيف . (اعلام الموقعين: ١/٢٥).

شیخ محمد عوامہ کی عبارت سے جواب:

شیخ محمد عوامہ نے تفصیل سے ان دونوں حضرات کا جواب دیا ہے مختصراً درج کیا جاتا ہے: قال عبد الفتاح أبوغده في حاشية قواعد في علوم الحديث :

بحث أخي تلميذ الأمس، و زميل اليوم الأستاذ الشيخ محمد عوامه في كلام الإمامين الشيخ ابن القيم والشيخ ابن تيمية رحمهما الله تعالىٰ المنقول ههنا :

بحثاً جيداً ثم علقه على نسخته من هذا الكتاب فأنا أنقله عنه مشكوراً سعيه لينظر فيه و يستفاد قال وفقه الله تعالىٰ :

ينبغي أن يجعل الحديث الضعيف في هذا الباب أربعة أقسام :

(١) الضعيف المنجبر الضعف بمتابعة أو شاهد ، وهوما يقال في احد رواته: لين الحديث اوفيه لين......وهوالحديث الملقب بالمشبه اى المشبه بالحسن من وجه وبالضعيف من وجه آخر وهو إلى الحسن أقرب.

(٢) الضعيف المتوسط الضعف، وهوما يقال في راويه: ضعيف الحديث اومردود الحديث اومنكر الحديث......

(٣) الضعيف الشديد الضعف، وهوما فيه متهم ، أو متروك.

(٤) الموضوع .

فالشيخ ابن تيمية وتلميذه ابن القيم رحمهما الله تعالىٰ يدخلان القسم الاول تحت كلام الامام احمد بناء على انه يشمله اسم الضعيف من جهة ، واسم الحسن لغيره من جهة أخرى، والظاهر والله أعلم إدخال القسم الثانى في مراد الإمام أحمد .

وادعاء ابن تيميةؒ ان الحديث عند المتقدمين ينقسم الى صحيح و ضعيف فقط ، وأن الحسن أحدثه الترمذى،بل نقل ابن تيميةؒ الإجماع على هذا الادعاء كما في فتح المغيث للسخاوى (ص ٥)

وهذا غير صحيح إذ أن إطلاق (الحسن)على الحديث وعلى الراوى أيضا وارد على لسان عدة من العلماء السابقين للترمذى من طبقة شيوخه وشيوخ شيوخه، بل ورد هذا الاطلاق على لسان الامام احمد نفسه، قال الحافظ ابن حجرفى نكته على مقدمة ابن الصلاح: وأما على بن المدينى فقد اكثرمن وصف الاحاديث بالصحة وبالحسن في مسنده و في علله وظاهرعبارته قصد المعنى الاصطلاحى،وكانه الامام السابق لهذا الاصطلاح وعنه اخذ البخاري ويعقوب بن شيبة وغير واحد وعن البخارى اخذ الترمذي.

وقال ابن الصلاح: ويوجد اى التعبير بالحسن الاصطلاحى في متفرقات من كلام بعض مشايخ الترمذي والطبقة التي قبله،كأحمد بن حنبل والبخارى وغيرهما انتهى.

وممن استعمل كلمة(حسن) واراد بها الحسن الاصطلاحی، وهوسابق للترمذی:

الحافظ محمد بن عبد الله بن نمير،شيخ شيوخ الترمذي......

والحافظ يعقوب بن شيبه السدوسی البصری البغدادي،وهو ايضا سابق للترمذي ومعاصرللبخاري ومسلم......

والامام ابوحاتم الرازي ممن استعمل (الحسن)في وصف الحديث قبل الترمذي......

وقبل ابی حاتم:الامام الشافعیؒ......وابو زرعة الرازی شيخ ابی حاتم و مسلم والترمذي......والنسائی وابن ماجه......

وقد انتقد الامام الكشميري في فيض الباری(۱:۵۷) قول الشيخ ابن تيمية:اثبات الحسن اصطلاح الترمذی،فقال:غيرصحيحة لان البخاري وعلى بن المديني ممن يفرقان بينهما.حتی جاء الترمذي وتبع في ذلک شيخه يعنی البخاری...

فهذه النصوص تنقض دعوی الشيخ ابن تيمية أن الترمذي اصطلح علی إيجاد الحديث الحسن وأحدثه دون سابق ذكرله بين الأئمة السابقين له، وإذا صح هذا النقض كان ما بناه عليه منقوضاً أيضاً... و علی كل حال: فكلام الإمام أحمد يحمل علی ظاهره ،وأنه يريد الضعيف المتوسط وما فوقه مما هو إلی الحسن أقرب والله أعلم.

(حاشية قواعد ص۱۱۰-۱۰۸)

شیخ محمد عوامہ کے جواب کا خلاصہ: حدیث ضعیف چار قسم پر ہونی چاہئے:

(۱) ضعیف جس کی تلافی ہو جائے شواہد ومتابعت وغیرہ سے یہ حسن کے قریب تر ہے۔

(۲) ضعیف جس میں درمیانی ضعف ہو۔

(۳)ضعیف جس میں شدید ضعف ہو،یعنی راوی متہم بالکذب یا متروک ہو۔

(۴) موضوع۔

اب شیخ ابن تیمیہ اورابن قیم نے امام احمدؒ کے کلام کے تحت صرف پہلی قسم کو داخل کیا یعنی حسن کے قریب تر ہو۔

لیکن امام احمدؒ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد ضعیف متوسط ہے۔ پھر حافظ ابن تیمیہؒ نے دعوی کیا کہ حسن امام ترمذیؒ کی ایجاد کردہ اصطلاح ہے۔ شیخ عوامہ نے واضح دلائل سے اس کو رد فرمایا:

چنانچہ فرماتے ہیں کہ علی بن المدینی،امام بخاری،امام احمد،حافظ محمد بن عبداللہ،حافظ یعقوب بن شیبہ،امام ابوحاتم رازی،امام شافعی اورامام ابوزرعہ رازی،اِن تمام حضرات نے حسن کا لفظ حدیث کے وصف میں استعمال فرمایا اور یہ سب حضرات امام ترمذی سے مقدم ہیں بعض تو امام ترمذی کے شیوخ ہیں اور بعض شیوخ کے بھی شیوخ ہیں،لہذا یہ دعویٰ صحیح نہیں، نیز علامہ کشمیریؒ نے بھی اس دعویٰ کو رد فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو: بخاری کی شرح فیض الباری(۱/ ۵۷) نیز تحقیق المقال فی تخریج فضائل الاعمال میں (ص۱۸۴) بھی مذکور ہے۔

جب یہ دعویٰ ٹوٹ گیا تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہوگیا کہ امام احمدؒ کے کلام کا مطلب

حدیث ضعیف سے حسن مراد نہیں، بلکہ ضعیف متوسط مراد ہے، جو حسن سے کم درجہ ہو لیکن ضعیفِ شدید مراد نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بہت سارے ائمہ ومحدثین نے احکام میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کیا ہے، جب کہ اس باب میں کوئی نص نہیں پائی اور قیاس اور رائے پر ترجیح دی۔

تمام علماء کا احکام ومسائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کرنا:

(۱۹) شیخ احمد بن محمد الصدیق الغماری المغربی لکھتے ہیں: **أن جميع الأئمة يحتجون بالحديث الضعيف، وإن قولهم: الضعيف لا يعمل به في الأحكام قول ليس على إطلاقه، كما يفهمه جل الناس أو كلهم؛ لأنك إذا نظرت في أحاديث الأحكام التي أخذ بها الائمة على الاجتماع والانفراد تجد فيها الضعيف ما لعله يبلغ نصفها أو يزيد، وربما وجدت فيها المنكر والساقط القريب من الموضوع.** (المثنوني والبتار في نحر العنيد المعثار الطاعن فيما صح من السنن واالآثار، ص ۱۸۰).

تمام ائمہ ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور یہ جو مشہور ہے کہ ''احکام میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا'' اپنے عموم واطلاق پر نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں، اس لیے کہ اگر آپ اُن احادیثِ احکام پر غور فرمائیں جن سے ائمہ نے استدلال کیا ہے تو آپ کو مجموعی طور سے ضعیف حدیثوں کی مقدار نصف یا اس سے بھی زائد ملے گی، ان میں ایک تعداد منکر، ساقط، اور قریب بہ موضوع کی بھی ملے گی۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: تمام ائمہ نے ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے

اور ضعیف حدیث کو ابواب الاحکام میں قیاس پر مقدم کیا ہے:

وليس أحد من الائمة إلا وهو موافقه على هذا الأصل من حيث الجملة فإنه ما منهم أحد إلا وقد قدم الحديث الضعيف على القياس فقدم أبو حنيفةؒ حديث القهقهة في الصلاة على محض القياس وأجمع أهل الحديث على ضعفه... وقدم الشافعي خبر تحريم صيد وَجٍّ (وَجٍّ بفتح الواو وتشديد الجيم موضع بناحية الطائف وقيل اسم جامع لحصونها وقيل اسم واحد منها) **مع ضعفه على القياس وقدم خبر جواز الصلاة بمكة في وقت النهي مع ضعفه ومخالفته لقياس غيرها من البلاد ... وأما مالك فإنه يقدم الحديث المرسل والمنقطع والبلاغات وقول الصحابي على القياس.** (اعلام الموقعين ۱/۲۵).

مذکورہ عبارت کا ماحصل حسبِ ذیل درج ہے:

سب ائمہ اس قاعدہ سے متفق ہیں کہ حدیث ضعیف قیاس پر مقدم ہے، امام ابوحنیفہؒ نے حدیثِ قہقہہ کو قیاس پر مقدم کیا باوجود یہ کہ اس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے، امام شافعیؒ نے مقامِ وج کے شکار کی حرمت والی ضعیف روایت کو قیاس پر مقدم کیا، اسی طرح مکروہ اوقات میں مکہ مکرمہ میں نماز پڑھنے والی ضعیف روایت پر عمل کیا، اور امام مالکؒ تو مرسل منقطع، بلاغات اور اقوالِ صحابہ کو بھی قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔

جمہور فقہاء اور محدثین کا موقف امام نوویؒ کی عبارت میں:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن

موضوعاً وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغيرذلک فلا يعمل فيها الا بالحديث الصحيح اوالحسن الاان يكون فی احتياط في شيء من ذلک، كما اذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فإن المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب.
(الاذکار ص ۲۵)

محدثین، فقہاء وغیرہ کے نزدیک ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے فضائل میں ترغیب وترہیب میں، نہ کہ احکام میں، ہاں اگر احکام میں احتیاط کا پہلو ہو تو پھر عمل کرنا مستحب ہوگا، اسی طرح ضعیف حدیث سے بعض بیوع کی کراہت مروی ہے تو اس سے بچنا بھی مستحب ہے واجب نہیں۔

(۲۰) محقق ابن ہمامؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال المحقق ابن الهمامؒ: والاستحباب يثبت بالضعيف غيرالموضوع. (فتح القدير ج۲ ص۱۳۳ فی اواخر باب الصلوة علی الميت)

محقق ابن ہمامؒ نے فرمایا: ضعیف حدیث سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: وروى الحاكم عنه صلى الله عليه وسلم: إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم فإن صح وإلا فالضعيف غير الموضوع يعمل به في فضائل الأعمال. (فتح القدير: ۱/۳۴۹، ط: دارالفکر).

(۲۱) شیخ شہاب الدین ابن حجر الہیتمیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال الشيخ ابن حجر المكيؒ:

قد اتفق العلماء على جوازالعمل بالحديث الضعيف فی فضائل الاعمال لانه ان كان صحيحا فی نفس الامرفقد اعطى حقه من العمل به والا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولاتحريم ولاضياع حق الغير. (فتح المبين فی شرح الاربعين، ص۳۲)

شیخ ابن حجر مکیؒ نے فرمایا: علماء کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر اس وجہ سے عمل کیا جائے گا کہ اگر واقعی حدیث صحیح ہے تو اس پر عمل کر کے حق ادا کر دیا ورنہ اس پر عمل کرنے سے کوئی حلت وحرمت کا فساد مرتب نہیں ہوگا اور نہ کسی کے حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۲۲) علامہ علاء الدین حصکفیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال العلامة علاء الدين الحصكفيؒ: قال محقق الشافعية الرملي: فيعمل به في فضائل الأعمال. فائدة: شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه وأن يدخل تحت أصل عام وأن لا يعتقد سنية ذلک الحديث وأما الموضوع فلا يجوز العمل به ولا روايته إلا إذا قرن ببيانه. (الدر المختار: ۱/۱۲۸، سعید)

(۲۳) علامہ ابن عابدین شامیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال العلامة ابن عابدين الشاميؒ:

قوله في فضائل الأعمال، أي لأجل تحصيل الفضيلة المترتبة على الأعمال، قال ابن حجر في شرح الأربعين لأنه إن كان صحيحاً في

نفس الأمر فقد أعطىٰ حقه من العمل به وإلا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل و لا تحريم ولا ضياع حق الغير، وفي حديث ضعيف: "من بلغه عني ثواب عمل فعمله حصل له أجره وإن لم أكن قلته" أو كما قال . قال السيوطيؒ: ويعمل به أيضاً في الأحكام إذا كان فيه احتياط .

(قوله عدم شدة ضعفه) شديد الضعف هو الذي لا يخلو طريق من طرقه من كذاب أو متهم بالكذب، قاله ابن حجر. قلت: مقتضى عملهم بهذا الحديث أنه ليس شديد الضعف فطرقه ترقيهم إلى الحسن. (قوله وأن لا يعتقد سنية ذلک الحديث) أي سنية العمل به. عبارة السيوطي في شرح التقريب: الثالث أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط. (قوله وأما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال) أي ولو في فضائل الأعمال . (رد المحتار: ۱/۱۲۸،ط: سعيد)

درمختار میں مذکور ہے: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہئے۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اعمالِ صالحہ پر ملنے والی فضیلت حاصل ہوجائے۔ شیخ ابن حجرؒ شرح اربعین میں فرماتے ہیں: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل اس لئے کیا جائے گا کہ اگر وہ حدیث فی نفسہٖ صحیح ہے تو اس پر عمل کر کے اس کا حق ادا ہوگیا اور اگر وہ حدیث فی نفسہٖ صحیح نہیں ہے تو اس پر عمل کر کے حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کی کوئی خرابی لازم نہیں آئی اور نہ کسی کی حق تلفی ہوئی۔

ایک ضعیف حدیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کو میرے

حوالہ سے کسی عمل پر ثواب ملنے کی حدیث پہنچی، سو اس نے اس پر عمل کیا تو اسے اس کا اجر مل جائے گا اگر چہ میں نے وہ بات نہ کہی ہو۔ [یہ روایت اور اس کے ہم معنی مزید روایات اور ان پر تحقیقی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: (دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیۃ، ص۲۶۴-۲۷۸)۔]

علامہ سیوطیؒ نے ذکر کیا کہ احکام میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہئے اگر اس میں احتیاط کا پہلو ہے۔

علامہ حصکفیؒ درمختار میں فرماتے ہیں: فائدہ: ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرائط:

(۱) ضعف شدید نہ ہو۔ (متقدمین اور متأخرین نے اس شرط کے خلاف عمل ظاہر کیا ہے، از شیخ محمد عوامہ، راجع: حکم العمل بالحدیث الضعیف، ص۸۰)۔

(۲) وہ ضعیف حدیث شرعی قاعدہ کلیہ کے تحت ہو۔ جو ضعیف حدیث قاعدۂ کلیہ کے خلاف ہو اس کو قبول نہ کیا جائے اس کی مثال میں سنن ابن ماجہ میں ص۲۶۴ پر وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس کی سند میں زمعہ بن صالح ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن أم سلمة قالت: خرج أبوبكر رضي الله عنه في تجارة إلى بصرى قبل موت النبي صلى الله عليه وسلم بعام ومعه نعيمان وسويبط بن حرملة وكانا شهدا بدراً وكان نعيمان على الزاد وكان سويبط رجلاً مزاحاً فقال لنعيمان أطعمني، قال: حتى يجيء أبوبكر قال: فلاغيظنک، قال: فمروا بقوم فقال لهم سويبط تشترون مني عبداً لي؟ قالوا: نعم، قال: إنه عبد له كلام وهو قائل لكم إني حر، فإن كنتم إذا قال لكم هذه المقالة تركتموه فلا تفسدوا على عبدي، قالوا: لا، بل نشتريه منک فاشتروه

منه بعشر قلائص ثم أتوه فوضعوا في عنقه عمامة أوحبلاً ، فقال نعيمان: إن هذا يستهزئ بكم ، وإني حر لست بعبد ، فقالوا: قد أخبرنا خبرك فانطلقوا به فجاء أبوبكر ؓ فأخبروه بذلك قال: فاتسع القوم ، ورد عليهم القلائص، وأخذ نعيمان، قال: فلما قدموا على النبي صلى الله عليه وسلم وأخبروه، قال: فضحك النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه منه حولاً. وفى الزوائد: وفي إسناده زمعة بن صالح وإن أخرج له مسلم فإنما روى له مقروناً بغيره، وقد ضعفه أحمد وابن معين وغيرهما .

یہ روایت مقررہ قاعدہ کہ حر کی بیع حرام ہے اس کے خلاف ہے اوراس میں حدیث وارد ہے نیز اِس قابل افسوس واقعہ پرایک سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابہ کا ہنسنا تو بالکل ہی عجیب ہے۔ اسی طرح: **إن ولد الزنا شر الثلاثة . قال ابن الجوزى فى" العلل المتناهية "** (١٢٨٢) **هذا الحديث لا يصح وخالد لا يعرف من هو .** اور **إن ولد الزنا لا يدخل الجنة .** ابن جوزیؒ نے **الموضوعات** میں تمام طرق بیان کرنے کے بعدفرمایا: **ليس في هذه الأحاديث شيء يصح، وهي معارضة لقوله تعالىٰ : ﴿ولاتزر وازرة وزر أخرى﴾ .** (الموضوعات:٣/١١١). یہ روایات خلافِ قانون ہونے کی مثالیں بن سکتی ہیں۔امام جلال الدین سیوطیؒ نےفرمایا یہ احادیث اصولِ دین کے مخالف ہیں۔ **قال: إن هذه الأحاديث مخالفة للأصول .** (اللالى المصنوعة:٢/١٦٤).

(٣) سنت سمجھ کرعمل نہ کرے۔یعنی سنتِ مؤکدہ یالازم سمجھ کراس پرعمل نہ کیا

جائے بلکہ مستحب اوربہتر سمجھ کرعمل کیا جائے۔

موضوع حدیث پرعمل کرنا جائز نہیں:

موضوع حدیث پرکسی حال میں عمل کرنا جائز نہیں ہے اورنہ اس کا نقل کرنا جائز ہے الا یہ کہ اس کے موضوع ہونے کوواضح کردے، اِس شرط سے روایت کرنا جائز ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **وأما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال أي ولو في فضائل الأعمال.** (رد المحتار : ١/١٢٨،ط: سعيد)

(٢٤،٢٥) حافظ ابن حجرؒ وشیخ ابن العربیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

فتح الباری میں ہے:

وقال ابن العربي: هذا الحديث وإن كان فيه مجهول لكن يستحب العمل به لأنه دعاء . (فتح البارى:١٠/٦٠٦) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابن عربی کے نزدیک بھی ضعیف حدیث پرعمل کرنا مستحب ہے۔

(٢٦) امام بیہقیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

امام بیہقیؒ نے سترہ نہ ہونے کے وقت خط کھینچنے والی حدیث سے استدلال فرمایا،حالانکہ یہ روایت ضعیف ہے۔ملاحظہ ہو: **ولا بأس به في مثل هذا الحكم إن شاء الله تعالى وبه التوفيق.** (السنن الكبرى للبيهقى:٢/٢٧١).

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں فرماتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن مهدیؒ أنه قال: إذا روينا فى الثواب والعقاب وفضائل الأعمال، تساهلنا فى الأسانيد، وتسامحنا فى

الرجال وإذا روينا في الحلال والحرام والأحكام تشددنا في الأسانيد وانتقدنا الرجال . (دلائل النبوة للبيهقي ١/٣٤)

محدثین کا قول" إذا روينا في الحلال والحرام تشددنا "کا مطلب:

شیخ عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے حلال اور حرام کا مطلب فرائض یعنی لازم چیزیں اور محرمات بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: **وينبغي الوقوف عند قولهم: الحلال والحرام، فهذا يعني: المفروض والمحرم، أما الفضائل: فهي ما سواهما من مستحبات ومكروهات، وتقدم أيضاً ص ١٣٩ـ ١٤٠: أن الرأى المستقر عند الأصوليين: أن الأحكام التكليفية هي المفروض والمحرم التي فيها إيجاب وإلزام وتكليف فعلاً وتركاً، أما المستحبات والمكروهات فلا إلزام فيها ولا كلفة .** (حكم العمل بالحديث الضعيف، ص ٢٠٦) اور ص ۱۳۹ پر تحریر فرمایا کہ اصولیین احکامِ تکلیفیہ مستحب اور مکروہ اور مباح کو شامل سمجھتے ہیں اور یہاں محدثین کی اصطلاح میں احکامِ تکلیفیہ مستحب، مباح اور مکروہ کو شامل نہیں کیونکہ مستحب کے چھوڑنے اور مکروہ یعنی تنزیہی کے ارتکاب میں گناہ نہیں، شیخ نے اس مقام پر عبداللہ صدیق غماری کی کتاب الحاوی سے پوری عبارت نقل فرمائی ہے۔

اور اگر کوئی اشکال کرے کہ حلال سے واجبات لینا بظاہر صحیح نہیں اس لیے کہ حلال تو مباح کو کہتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حلال کے مقابلہ میں فضائل آئے ہیں تو لامحالہ حلال سے واجبات مراد ہوں گے اس لیے کہ فضائل کے معنی وہ اعمال ہیں

جن پر عمل لازم نہ ہوں تو اس کے مقابل وہ اعمال ہیں جن پر عمل ضروری ہے۔

(۲۷) علامہ ابن تیمیہؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت :

فتاوی ابن تیمیہؒ میں ہے:

فإذا روى حديث في فضل بعض الأعمال المستحبة وثوابها وكراهة بعض الأعمال وعقابها: فمقادير الثواب والعقاب وأنواعه إذا روي فيها حديث لا نعلم أنه موضوع جازت روايته والعمل به، بمعنى: أن النفس ترجو ذلك الثواب أو يخاف ذلك العقاب...فما علم أنه باطل، موضوع لم يجز الالتفات إليه، فإن الكذب لا يفيد شيئاً، وإذا ثبت أنه صحيح اثبتت به الأحكام، وإذا احتمل الأمرين روى لإمكان صدقه و لعدم المضرة في كذبه، وأحمد إنما قال: إذا جاء الترغيب والترهيب تساهلنا في الأسانيد ومعناه : إنا نروى في ذلك بالأسانيد وإن لم يكن محدثوها من الثقات الذين يحتج بهم، وكذلك قول من قال: يعمل بها في فضائل الأعمال، إنما العمل بها العمل بما فيها من الأعمال الصالحة مثل التلاوة والذكر والاجتناب لما كره فيها من الأعمال السيئة. (فتاوى ابن تيمية: ١٨/٦٦)

علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض مستحب اعمال کی فضیلت وثواب اور بعض اعمال کی کراہت وسزا میں جو روایات مروی ہوں نیز ثواب وسزا کی مقدار کے بارے میں جو روایات مروی ہوں اور یہ معلوم نہیں کہ وہ موضوع ہیں تو ان کو روایت کرنا

بھی جائز ہے اوران پرعمل کرنا بھی درست ہے،یعنی عمل کرتے وقت اس ثواب کی امید رکھے یااس سزا سے ڈرے۔

ہاں جب معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث موضوع ہے تو اس کی طرف توجہ بھی نہ کرے اس لئے کہ جھوٹ سے کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوتا۔اور جب ثابت ہو کہ حدیث صحیح ہے تو اس سے احکام ثابت ہوں گے،اور جب صحت وعدمِ صحت کا احتمال غالب ہو تو امکانِ صدق کی وجہ سے اور کذب میں نقصان نہ ہونے کی وجہ سے روایت کرنا جائز ہے۔

جن حضرات نے فرمایا کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پرعمل کرنا جائز ہے انکا مطلب بھی یہی ہے کہ ضعیف حدیث سے جو نیک اعمال ثابت ہیں ان کو کریں،مثلاً تلاوت قرآن کریم اورذکرواذکار،ادعیہ وغیرہ،اسی طرح اُن برے اعمال سے بچیں جن میں کراہت وارد ہوئی ہے،لہذا ضعیف حدیث میں جن اعمال کی ترغیب ہے تو اسکا کرنا مستحب ہے اوراگر کسی عمل سے روکا ہے تو اس سے بچنا بھی مستحب ہوگا۔

(۲۸) علامہ عبدالحی لکھنویؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے لکھا ہے:

إذا وجد حديث ضعيف في فضيلة عمل من الأعمال، ولم يكن هذا العمل مما يحتمل الحرمة أوالكراهة فإنه يجوز العمل به ويستحب لأنه مأمون الخطر ومرجو النفع، إذ هو دائر بين الإباحة والاستحباب، فالاحتياط العمل به رجاء الثواب. (الاجوبة الفاضلة للاسئلة العشرة الكاملة ص۵۷)

ظفر الأماني میں ہے:

ويجوزعند العلماء التساهل فى اسناد الضعيف دون الموضوع وروايته من غيربيان فى المواعظ والقصص وفضائل الاعمال اى فضائل الاعمال الثابتة والمندوبات التى يثاب فاعلها ولايذم تاركها، فانه يجوز فيها اخذالحديث الضعيف والعمل به لانه ان كان صحيحا فى نفس الامرفقد اعطى حقه من العمل والالم يترتب على العمل به مفسدة تحليل و لا تحريم و لا ضياع حق للغير. (ظفر الامانی ص۱۱۲)

(۲۹) شیخ ابن بدران حنبلیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

شیخ ابن بدران الحنبلیؒ المدخل میں فرماتے ہیں:

تتمة : ذهب الإمام أحمد وتبعه موفق الدين المقدسي والأكثر إلى أنه يعمل بالحديث الضعيف فى الفضائل . (المدخل:۱/۲۱۳)

(۳۰) شیخ ابن مفلح حنبلیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

وقال الشيخ : لا باس بها فإن الفضائل لا تشترط لها صحة الخبر... وقال شيخنا: العمل بالخبرالضعيف بمعنى أن النفس ترجو ذلك الثواب أو تخاف ذلك العقاب . (كتاب الفروع فى فقه الامام احمد بن حنبل:۱/۳۸۷، باب صلاة التطوع، ط: دار الكتاب العربى)

وفى آداب الشرعية : فصل فى العمل با لحديث الضعيف وروايته والتساهل فى أحاديث الفضائل دون ما تثبت به الأحكام والحلال والحرام: ولأجل الآثار المذكورة فى الفصل قبل هذا ينبغي

الإشارة إلى ذكر العمل بالحديث الضعيف و الذى قطع به غير واحد عمن صنف فى علوم الحديث حكاية عن العلماء انه يعمل بالحديث الضعيف فيما ليس فيه تحليل ولا تحريم كالفضائل ...

قال الامام احمد فى المسند حدثنا سريج حدثنا ابو معشر عن سعيد عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :ما جاء كم عنى من خير قلته أو لم أقله فأنا أقوله وما أتاكم من شر فإنى لا أقول الشر(مسند أحمد) وانظر فيما بعده، أبومعشر اسمه نجيح، لين مع أنه صدوق حافظ ورواه ابوبكر البزار من حديثه . (آداب الشرعية٢/٢٨٥)

اس روایت"ما جاء كم عني من خير قلته..." کے ہم معنی روایات پر پوری بحث شیخ عبدالمجید ترکمانی نے دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیہ نامی کتاب میں ص ۲۶۴۔۲۷۸ تک کی ہے،اس مختصر رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں۔

(۳۱) شیخ محمد الخرشی المالکیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: اتفق العلماء علىٰ جوازالعمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال . (شرح مختصر خليل:١/٢٥،ط: دارالفكر بيروت)

(۳۳،۳۲) شیخ ابن ادریس البہوتی ؒ وجلال الدین محلیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال جلال الدين المحلى أنه روى عن النبى صلى الله عليه وسلم من طرق فى تاريخ ابن حبان وغيره وإن كانت ضعيفة للعمل بالحديث

الضعيف فى فضائل الأعمال انتهى . (كشاف القناع١/١٠٣، وشرح الجلال المحلى على المنهاج للنووى:١/٥٦)

(۳۴) شیخ مصطفیٰ سیوطی حنبلیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: فلا باس لجواز العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال قال الشيخ تقى الدين: العمل بالخبر الضعيف بمعنى أن النفس ترجو ذلک الثواب أو تخاف ذالک العقاب . (مطالب اولى النهى١/٥٨٠،ط المكتب الاسلامى)

(۳۵)امام نوویؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

وقد قدمنا اتفاق العلماء على العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال دون الحلال والحرام . (المجموع: ٣/٢١٨)

وفى الاذكار بعد ان ذكر حديث:من أحيى ليلتى العيدين...قال: هو حديث ضعيف...لكن أحاديث الفضائل يتسامح فيها. (الاذكار: ٢١٢) وقال فى شرح المهذب: يستأنس بأحاديث الفضائل وإن كانت ضعيفة الإسناد ، ويعمل بها فى الترغيب والترهيب . (٥/٢٩٣)

(۳۶) شیخ ابن قدامہ حنبلیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

ابن قدامہؒ المغنی میں صلاۃ التسبیح ذکر کرنے کے بعدفرماتے ہیں: اگرکوئی شخص اس پرعمل کرے تو کوئی حرج نہیں ہےاس لیے کہ نوافل اورفضائل میں صحتِ حدیث شرط نہیں ہے۔ قال : وإن فعلها إنسان فلا بأس فإن النوافل والفضائل لا

يشترط صحة الحديث فيها. (المغني في فقه الإمام احمد بن حنبل الشيباني: ١/٩٩٧،ط:دارالفكر).

(٣٧) شیخ عبدالحمید المکی الشروانی الشافعیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال في حواشي الشرواني: ان الحديث الضعيف يعمل به في فضائل الاعمال . (حواشي الشرواني: ١/٥٢،)

نیز مذکور ہے:

وقال الشارح : وفات الرافعي والنووي أنه روى عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم من طرق في تاريخ ابن حبان وغيره وإن كانت ضعيفة للعمل بالحديث الضعيف فى فضائل الاعمال ومشى شيخي على أنه مستحب وأفتى به لهذا الحديث . (حواشي الشرواني:١/٢٤٠)

(٣٨) شیخ محمد خطیب شربینیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: يسن إحياء ليلتي العيد بالعبادة من صلاة وغيرها من العبادات لخبر: من أحيا ليلتي العيد لم يمت قلبه يوم تموت القلوب، رواه الدار قطني موقوفاً قال فى المجموع وأسانيده ضعيفة ومع ذلك استحبوا الإحياء لأن الحديث الضعيف يعمل به فى فضائل الأعمال.

(مغني المحتاج:١/٣١٣، باب صلاة العيدين ، ط: دارالفكر)

(٣٩) شیخ احمد بن غنیم المالکیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: قد تقرر جواز العمل بالحديث الضعيف فى الأعمال.

(الفواكه الدواني على رسالة ابن ابى زيد القيرواني،ص ١٧٤)

(٤٠) شیخ ملاعلی القاریؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

وقال على القارى فى رسالة " الحظ الاوفر فى الحج الاكبر" بعد ذكر حديث افضل الايام يوم عرفة، إذا وافق يوم الجمعة فهوافضل من سبعين حجة ، رواه رزين، أما ماذكره بعض المحدثين فى اسناد هذا الحديث انه ضعيف فعلى تقدير صحته لايضر المقصود ، فان الحديث الضعيف معتبر في فضائل الأعمال عند جميع العلماء من أرباب الكمال. انتهى. (الاجوبة الفاضله ص٣٧)

وقال فى رسالة الموضوعات عند ذكرحديث مسح الرقبة أمان من الغل: الضعيف يعمل به فى فضائل الأعمال اتفاقاً، ولذلك قال ائمتنا: إن مسح الرقبة مستحب أوسنة . (الموضوعات الكبير ص ١٠٨)

(٤١) حافظ عراقیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

وقال العراقى فى شرح ألفية الحديث: أما غير الموضوع فجوزوا التساهل في إسناد ه وروايته من غير بيان لضعفه إذا كان فى غير الأحكام والعقائد، بل فى الترغيب والترهيب من المواعظ والقصص وفضائل الأعمال ونحوها، أما إذا كان فى الأحكام الشرعية من الحلال والحرام وغيرهما أوفى العقائد كصفات اللّٰه تعالى وما يجوز و يستحيل عليه ونحو ذلك فلم يروا التساهل فى ذلك وممن

نص على ذلک من الائمة : عبد الرحمن بن مهدی وأحمد بن حنبل وعبد الله بن المبارک وغيرهم . انتهى . (الاجوبة الفاضلة :٤٠)

(٤٢) حافظ ابن کثیرؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال في تفسيره بعد أن ذكر الأحاديث والآثار الواردة في فضل غض البصر: وروي هذا مرفوعاً عن ابن عمر وحذيفة وعائشةؓ ولكن فى أسانيدها ضعف ، إلا أنها فى الترغيب ، ومثله يتسامح فيه. (تفسیرابن کثیر، النور :٣٠).

(٤٣) علامہ جلال الدین سیوطیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال الإمام السيوطیؒ : ويعمل بالضعيف أيضا فى الأحكام إذا كان فيه الاحتياط . (تدريب الراوى: ١/٢٩٩).

علامہ سیوطیؒ نے فرمایا: احکام میں بھی ضعیف حدیث پرعمل کیا جائیگا جبکہ احتیاط کا پہلو ہو۔

قال: ويجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فى الاسانيد الضعيفة و رواية ما سوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه فى غير صفات الله تعالى والاحكام كالحلال والحرام وغيرهما وذلک كالقصص وفضائل الاعمال والمواعظ وغيرها مما لا تعلق له بالعقائد والاحكام ومن نقل عنه ذلک :ابن حنبلؒ وابن مهدیؒ وابن المبارکؒ قالوا اذارويناعن النبی فى الحلال والحرام شددناواذا روينا فى الفضائل ونحوها تساهلنا . (تدريب الراوى :١/٢٩٨)

(٤٤) حافظ شمس الدین ذہبیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: أكثر الائمة على التشديد في أحاديث الأحكام، والترخيص قليلاً ، لا كل الترخص فى الفضائل والرقائق، فيقبلون في ذلک ما ضعف إسناده ، لا ما اتهم رواته ، فإن الأحاديث الموضوعة ، والأحاديث الشديدة الوهن لا يلتفتون إليها ، بل يروونها للتحذير منها، والهتک لحالها...الخ . (سیراعلام النبلاء : ٨/٥٢٠،ط: الرسالة).

(٤٥) علامہ جمال الدین قاسمی دمشقیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: الثالث: يعمل به فى الفضائل بشروطه الآتية وهذا هو المعتمد عند الائمة قال ابن عبد البر : وأحاديث الفضائل لايحتاج فيها إلى ما يحتج به فقال الحاكم: سمعت أبا زكريا العنبرى يقول: الخبر إذا ورد لم يحرم حلالاً ولم يحلل حراماً ولم يوجب حكماً وكان فى ترغيب أو ترهيب أغمض عنه وتسوهل فى روايته ولفظ ابن مهدى فيما أخرجه البيهقى فى المدخل: إذا روينا عن رسول الله ﷺ فى الحلال والحرام و الاحكام شددنا فى الاسانيد وانتقدنا فى الرجال واذا روينا فى الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فى الاسانيد وتسامحنا فى الرجال ولفظ احمد فى رواية الميمونى عنه: الاحاديث الرقائق يحتمل ان يتساهل فيها حتى يجىء شىء فيه حكم وقال فى رواية عباس الدورى عنه:ابن اسحاق رجل تكتب عنه هذه الاحاديث يعنى

المغازی ونحوها واذا جاء الحلال والحرام اردنا قوما هكذا وقبض أصابع يده الأربع. (قواعد التحديث ص١٣٣)

(۴۶) شیخ محمد عطیہ سالم تلمیذ الشیخ الشنقیطی اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: ولو فرض وقدر جدلا أن فی السند مقالاً، فإن أئمة الحديث لايمنعون إذا لم يكن فی الحديث حلال أوحرام أو عقيدة ، بل كان باب فضائل الأعمال لا يمنعون العمل به، لأن باب الفضائل لا يشدد فيه هذا التشدد ونقل السيوطي مثل ذلك عن أحمد وابن المبارك. (التتمة من أضواء البيان ٨/٥٧٢،٥٧٣).

عبارتِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حدیث میں ضعف ہو پھر بھی محدثین فضائل میں اس پر عمل کرنے سے نہیں روکتے ہیں جبکہ اس میں حلال حرام اور عقیدہ کا ذکر نہ ہو، اس لئے کہ فضائل میں تشدد سے کام نہیں لیا جاتا، امام سیوطیؒ نے امام احمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ سے اسی طرح نقل فرمایا ہے۔

(۴۷) شیخ سراج الدین ابن الملقن شافعیؒ اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال فی" البدرالمنير" (٢/٢٨٠ط:الرياض): وقد نص العلماء على أنه يتسامح فی الأحاديث الواردة في فضائل الأعمال...الخ .

(۴۸) شیخ عبدالوہاب عبداللطیف اورضعیف حدیث کی حجیت:

قال: نص على قبول الضعيف فی فضائل الاعمال احمد بن حنبل وابن سيد والنووی والعراقی والسخاوی والشيخ زكرياؒ وابن

حجر العسقلانیؒ والسيوطیؒ وعلى القاریؒ بل ذهب ابن الهمامؒ الى انه يثبت به الاستحباب واشار إلى ذلك النووی وابن حجر المكی والجلال الدوانی...وتوسع فی القول فيه والعمل به اللكنوی فی ظفر الأماني بشرح خلاصة الجرجاني وفي رسالته" الأجوبة الفاضلة" وممن أفاض في ذلك ابن عدى في مقدمة كتابه الكامل والخطيب فی الكفاية . (حاشية تدريب الراوی للشيخ عبد الوهاب عبداللطيف الاستاذ بجامعة الازهر: ١/٢٩٩)

(۴۹) شیخ صالح بن محمد بن نوح العمری اورضعیف حدیث کی حجیت:

إيقاظ همم أولی الأبصار میں ہے:

قال بعض أصحاب التحقيق فی رسالة له فی علم أصول الحديث فی تحقيق الحديث الضعيف انه يجوز عند العلماء التساهل فی رواية الضعيف دون الموضوع بان لم يبين ضعفه فی المواعظ والقصص وفضائل الاعمال لافی صفات الله تعالى واحكام الحرام والحلال قيل أنه يخرج (الامام النسائی)عن كل من لم يجمع على تركه وابوداؤد كان ياخذ ماخذه ويخرج الضعيف اذا لم يجد فی الباب غيره ويرجحه على راي الرجال . (إيقاظ همم أولى الابصار للاقتداء بسيد المهاجرين والانصار،ص٦٣)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث فضائل میں قابل قبول ہے۔

مذکورہ نقولِ ائمہ سے معلوم ہوا کہ ائمہ اور محدثین کے نزدیک حدیثِ ضعیف کی

اہمیت ہے، حدیثِ ضعیف کو انہوں نے بالکل ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالا بلکہ قیاس کے مقابلہ میں اولیٰ اور بہتر جانا اور احکام کے ابواب میں بھی استدلال کیا جب کہ اس باب میں کوئی اور نص نہیں پائی۔

(۵۰) شیخ عبدالرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد اور ضعیف حدیث کی حجیت:

صاحبِ تحفۃ الاحوذی جو غیر مقلد ہیں وہ بھی فضائل میں ضعیف احادیث کو قابل استدلال تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ نمازِ اوابین کے بارے میں لکھتے ہیں:

عن حذيفة رضي الله عنه قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فصليت معه المغرب فصلى إلى العشاء، قال المنذرى رواه النسائي بإسناد جيد وقد ورد في فضيلة الصلاة بين العشائين غير هذه الأحاديث ذكرها الشوكاني في النيل وقال بعد ذكرها: الأحاديث المذكورة وإن كان أكثرها ضعيفة فهي منتهضة بمجموعها لا سيما في فضائل الأعمال. (تحفة الاحوذی: ۲/۴۲۲، باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعدالمغرب).

علامہ شوکانی کے حوالہ سے ذکر کیا کہ اوابین کی نماز کے بارے میں اکثر روایات ضعیف ہیں لیکن مجموعی اعتبار سے خصوصاً فضائل میں کارآمد ہیں۔ دوسری جگہ تکبیر اولیٰ کی فضیلت کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ سند منقطع ہونے کے باوجود فضائل میں عمل کرنا درست ہے۔ **قال بن حجرؒ: رواه الترمذي بسند منقطع ومع ذلك يعمل به في فضائل الأعمال.** (تحفة الاحوذی: ۲/۴۰، باب فی فضل التکبیرة الاولی).

موجودہ دور کے سلفی حضرات جو امت کے سادہ لوح عوام کو اعمالِ خیر سے روکتے

ہیں فقط اس بنا پر کہ حدیث ضعیف ہے اور کہتے ہیں: **إن يتبعون إلا الظن وإن الظن لا يغني من الحق شيئاً**۔ ان کے لیے متقدمین ومتأخرین علماء کی عبارات سرمہ بصیرت ہیں۔

(۵۱) شیخ محمد عبدالسلام مبارکپوری اور ضعیف حدیث کی حجیت:

صاحبِ مرعاۃ عبدالسلام مبارکپوری غیر مقلد سنتِ مغرب جلدی ادا کرنے کے بارے میں مرسل روایت کے تحت لکھتے ہیں: **قال ابن حجرؒ: والإرسال هنا لا يضر، لأن المرسل كالضعيف الذي لم يشتد ضعفه، يعمل بهما في فضائل الأعمال.** (مرعاة المفاتيح: ۴/۱۶۱/۱۱۹۲، باب السنن وفضلها).

یعنی مرسل روایت عام ضعیف روایت کے درجہ میں ہے اور مرسل وضعیف دونوں فضائل اعمال میں قابل قبول ہیں۔ دوسری جگہ لکھا ہے: **قد اتفقوا على جواز العمل بالضعيف في فضائل الأعمال، فتأمل.** (مرعاة المفاتيح: ۱/۳۵۰/۲۶۲، كتاب العلم، الجامعة السلفية).

(۵۲) شیخ محمد یاسین الفادانی المکیؒ اور ضعیف حدیث کی حجیت:

قال في "العجالة في الأحاديث المسلسلة" (ص۱۱۶): **وهذا لايقتضي الحكم على الحديث بالوضع وإنما تقتضي الضعف الذي جوزوا روايته والعمل به في فضائل الأعمال والترغيبات.**

شیخ محمد یاسین فادانی شافعی مکیؒ کی شخصیت بہت مشہور تھی مکہ مکرمہ میں حدیث شریف کا درس دیتے تھے فرماتے ہیں کہ کسی سند میں متہم راوی ہو تو وہ روایت موضوع

نہیں ہوتی ہاں اس کوضعیف کہیں گے اور محدثین نے ضعیف حدیث کی روایت اور فضائل اعمال میں اس پرعمل کی اجازت دی ہے۔

(۵۳،۵۴)امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدراوراشاعۃ التوحیدو السنہ کے مقتدیٰ مولانا محمد طاہر رحمہما اللہ تعالیٰ اورضعیف حدیث کی حجیت:

ڈاکٹرمولانا سراج الاسلام لکھتے ہیں:

شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب اورشیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرلکھتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: " **أبى الله أن يقبل عمل صاحب بدعة حتى يد ع بدعته** " اللہ تعالیٰ نے بدعتی کے عمل کوقبول کرنے سے انکارکردیاہے اس وقت تک کہ وہ اپنی بدعت کوترک نہ کردے۔(اصول السنہ لردالبدعہ ص۱۲، وراہِ سنت،ص۲۷)

پھرڈاکٹرصاحب نے جوتحریرفرمایاہےاس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنن ابن ماجہ کی اس روایت میں چارراویوں پرکلام ہے۔ ۱۔عبداللہ بن سعید مقبری مدنی واہی ہے،۲۔بشر بن منصور، ۳۔ابوزید مجہول ہے، ۴۔ابوالمغیرہ مجہول ہے۔

آگے لکھتے ہیں: شیخ الحدیث صاحب نے ایک اورروایت یہ بھی لکھی: " **لا يقبل الله لصاحب بدعة صوماً ولا صلاة ولا صدقة ولا حجاً ولا عمرة ولا جهاداً ولا صرفاً ولا عدلاً يخرج من الإسلام لما تخرج الشعرة من العجين** " اس میں ایک راوی محمد بن محصن ہے جس کوامام بخاریؒ نے منکرالحدیث فرمایا ہے۔(خلاصہ از مجموعہ:۹۳۔۹۴)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات حدیثِ ضعیف کوقابل استدلال مانتے ہیں اگرچہ ڈاکٹرصاحب جواشاعۃ التوحید کے ہم نوااورہم مشرب ہیں اس استدلال سے خوش نہیں۔

ایک اورضعیف روایت ڈاکٹرسراج صاحب ہی کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں جس سے مولانا سرفرازصاحب نے ختنہ کی دعوت کی ممانعت پراستدلال کیاہےاوراس کےضعف کومولانا سراج الاسلام صاحب نے بیان فرمایاہے:

حدثنا عبد الله حدثنا أبي حدثنا محمد بن سلمة الحراني عن ابن إسحاق يعني محمداً عن عبيد الله أوعبد الله بن طلحة بن كريز عن الحسن قال: دعي عثمان بن أبي العاصؓ إلى ختان فأبى أن يجيب فقيل له فقال ...الخ. (مسند أحمد:۴/۲۱۷)

روایت کا حاصل یہ ہے کہ عثمان بن ابی العاصؓ کوکسی ختنہ میں دعوت دی گئی تو انہوں نے صاف انکارکردیاجب ان سے انکارکی وجہ دریافت کی گئی توصاف الفاظ میں ارشادفرمایا: **إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له.** (راہِ سنت۱۴۲،طباعت ستمبر۱۹۸۱ء) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ختنہ میں شرکت نہیں کرتے تھےاورنہ ہمیں بلایاجاتاتھا، پھرڈاکٹرصاحب نے اس روایت کی سند میں دوکمزوریاں بیان کی ہیں:۱۔محمد بن اسحاق بن یسارکاعنعنہ جبکہ ان کامدلس ہونامعروف ہے،۲۔حسن بصریؒ نے عثمان بن ابی العاصؓ سے احادیث کی سماعت نہیں کی علاوہ ازیں وہ مدلس ہیں۔(خلاصہ ازمجموعہ،۹۳)۔

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرائط:

علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

يشترط للعمل بالحديث الضعيف ثلاثة شروط على ماذكره السيوطى فى شرح تقريب النووى والسخاوى فى القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع وغيرهما...

الأول: عدم شدة ضعفه، بحيث لا يخلو طريق من طرقه عن كذاب أو متهم بالكذب. [قال الشيخ محمد عوامة: الا أن أقوال وواقع كثير من متقدميهم ومتأخريهم على خلاف هذا الشرط، وبعض من قال بهذا الشرط خالفه فى واقعة العملى. (حكم العمل بالحديث الضعيف، ص ٨٠). كما سيأتى]

الثانى: أن يدخل تحت أصل عام.

والثالث: أن لا يعتقد سنية ما ثبت بذلك الحديث، بل يعتقد الاحتياط. وله أمثلة كثيرة لا تخفى على ماهر فن الفقه. (ظفرالامانى ص ١١٢)

تدریب الراوی میں ہے:

تنبيه: لم يذكر ابن الصلاح والمصنف هنا وفى سائر كتبه مما ذكر سوى هذا الشرط وهو كونه فى الفضائل ونحوها، وذكر شيخ الاسلام له ثلاثة شروط.

احدها: ان يكون الضعف غير شديد، فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه نقل العلائى الاتفاق عليه. الثانى: ان يندرج تحت اصل معمول به. الثالث: ان لايعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط. (تدريب الراوى: ١/٢٩٨)

تيسير مصطلح الحديث میں ہے:

حكم العمل به: اختلف العلماء فى العمل بالحديث الضعيف والذى عليه جمهور العلماء انه يستحب العمل به فى فضائل الاعمال لكن بشروط ثلاثة اوضعها الحافظ ابن حجرؒ وهى: (١) ان يكون الضعف غير شديد (٢) ان يندرج الحديث تحت اصل معمول به (٣) أن لايعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط. (تيسير مصطلح الحديث ص٦٥)

محدثین وفقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علما متفق ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا، (یعنی مستحبات ومکروہات میں) نیز مواضع احتیاط میں تین شرائط کے ساتھ مستحب ہے:

(١) ضعف شدید نہ ہو یعنی اس روایت کے بیان کرنے میں کوئی راوی کذاب یا متہم بالکذب منفرد نہ ہو۔ (متقدمین اورمتأخرین نے اس شرط کے خلاف عمل ظاہر

کیا ہے، از شیخ محمد عوامہ، راجع: حکم العمل بالحدیث الضعیف، ص۸۰)۔

(۲) ضعیف حدیث کسی شرعی قاعدہ کے تحت آتی ہو۔ جو ضعیف حدیث قاعدۂ کلیہ کے خلاف ہو اس کو قبول نہ کیا جائے اس کی مثال میں سنن ابن ماجہ میں ص۲۶۴ پر وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس کی سند میں زمعہ بن صالح ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن أم سلمة قالت: خرج أبوبكر ﷺ في تجارة إلى بصرى قبل موت النبي صلى الله عليه وسلم بعام ومعه نعيمان وسويبط بن حرملة وكانا شهدا بدراً وكان نعيمان على الزاد وكان سويبط رجلاً مزاحاً فقال لنعيمان أطعمني، قال: حتى يجيء أبوبكر قال: فلاغيظنك، قال: فمروا بقوم فقال لهم سويبط تشترون مني عبداً لي؟ قالوا: نعم، قال: إنه عبد له كلام وهو قائل لكم إني حر، فإن كنتم إذا قال لكم هذه المقالة تركتموه فلا تفسدوا على عبدى، قالوا: لا، بل نشتريه منك فاشتروه منه بعشر قلائص ثم أتوه فوضعوا في عنقه عمامة أوحبلاً، فقال نعيمان: إن هذا يستهزئ بكم، وإني حر لست بعبد، فقالوا: قد أخبرنا خبرك فانطلقوا به فجاء أبوبكر ﷺ فأخبروه بذلك قال: فاتسع القوم، ورد عليهم القلائص، وأخذ نعيمان، قال: فلما قدموا على النبي صلى الله عليه وسلم وأخبروه، قال: فضحك النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه منه حولاً. وفى الزوائد: وفي إسناده زمعة بن صالح وإن أخرج له مسلم فإنما روى له مقروناً بغيره، وقد ضعفه أحمد وابن معين وغيرهما.

یہ روایت مقررہ قاعدہ کہ حر کی بیع حرام ہے اس کے خلاف ہے اور اس میں حدیث وارد ہے نیز اِس قابل افسوس واقعہ پر ایک سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا ہنسنا تو بالکل ہی عجیب ہے۔ اسی طرح: **إن ولد الزنا شر الثلاثة. قال ابن الجوزى فى" العلل المتناهية " (۱۲۸۲) هذا الحديث لا يصح وخالد لا يعرف من هو.** اور **إن ولد الزنا لا يدخل الجنة.** ابن جوزیؒ نے الموضوعات میں تمام طرق بیان کرنے کے بعد فرمایا: **ليس في هذه الأحاديث شيء يصح، وهي معارضة لقوله تعالىٰ: ﴿ولاتزر وازرة وزر أخرى﴾.** (الموضوعات: ۳/۱۱۱)۔ یہ روایات خلافِ قانون ہونے کی مثالیں بن سکتی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا یہ احادیث اصولِ دین کے مخالف ہیں۔ **قال: إن هذه الأحاديث مخالفة للأصول.** (اللالی المصنوعة: ۲/۱۶۴)۔

(۳) حدیث کے قطعی ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے بلکہ صرف احتیاط کا اعتقاد ہو۔ یعنی سنتِ مؤکدہ یا لازم سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا جائے بلکہ مستحب اور بہتر سمجھ کر عمل کیا جائے۔

شیخ محمد عوامہ نے چند مزید شرائط ذکر فرما کر ان پر نقد وجرح بھی فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

شروط العمل بالحديث الضعيف: (۱) أطلق الأئمة المتقدمون الذين تقدمت أقوالهم، أطلقوا القول في جواز العمل به، دون أى قيد أو شرط، لتحديد رتبة ضعفه، سوى أن يكون الحديث فى باب الفضائل والترغيب والترهيب، أما الأحكام الشرعية: الحلال والحرام: فلا، وأما العقائد فمن باب أولىٰ أن لا يحتج به فيها.

(٢) ثم زاد ابن الصلاح شرطاً آخر ملحوظاً من خلال اطراح العلماء جميعهم للحديث الموضوع، وقال: ما خلاصته: أن لا يصل الضعف به إلى كونه موضوعاً، وتابعه عليه من بعده ، فهذا شرط ثانٍ. وهذا مما اتفق عليه العلماء .

(٣) وارتأى آخرون إخراج ما اشتد ضعفه عن دائرة ما يعمل به، فهذا شرط ثالث، ادعى عليه الاتفاق، ولا يصح، وسيأتي البيان. وذكر بعض العلماء شروطاً أخرى، وهي:

(٤) أن يكون لهذا الضعيف أصل يندرج تحته .

(٥) وأن لا يعتقد العامل به ثبوته .

(٦) وأن لا يَشْهَر العاملُ عمله به أمام الناس .

(٧) وأن لا يعتقد سنيته .

(٨) وأن لا يخالف الضعيف حديثاً صحيحاً .

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ تیسری شرط پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أما الشرط الثالث: أن لا يشتد ضعفه ؛ فهذا شرظ صرح به كثير من أهل العلم، وصورته كما قال الحافظ: يخرج به من انفرد به بعض المتهمين، ومن فحش غلطه ، ثم نقل عن العلائي الاتفاق على هذا الشرط، أي: لا يجوز العمل بحديث شديد الضعف مع توفر الشروط الأخرى فيه. إلا أن أقوال وواقع كثير من متقدميهم و متأخريهم على خلاف هذا الشرط، وبعض من قال بهذا الشرط خالفه في واقعه العملي

وسيأتي تطبيقاتهم إن شاء الله في المبحث الأول من الباب الثاني...
(حكم العمل بالحديث الضعيف، ص٧٣ ـ ٨٠).

أنني لا أدعو إلى إشاعة ما اشتد ضعفه ،لكني إذا رأيت من يفعله من أهل العلم الأيقاظ: لا أنكره عليه، فله أسوة وقدوة، من أئمة كبار، لكن بشرط أن لا يكون فيه نكارة في معناه، أو غرابة شديدة إن كان خيراً ، أو معجزة ، أو نحو ذلك ، مما لا تحتمله عقول السامعين أو القارئين، وهذا الاستثناء يتصل بحكمة المؤلف أو المتحدث ، و خبرته بعقول السامعين أو القارئين، وما إلى ذلك، ولا ينبغي له إهمال هذا الجانب أبداً . (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص:١٠٤).

شیخ عوامہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ متقدمین کے ہاں صرف ایک شرط تھی کہ ضعیف حدیث فضائل میں کارآمد ہے، باقی دوسری شروط بعد میں ابن صلاح اور ابن حجرؒ وغیرہ حضرات نے لگائی ہیں اور علماء نے ان کو قبول کیا ہے۔

تاہم جہاں تک تیسری شرط کا تعلق ہے کہ شدید ضعف نہ ہو تو متقدمین اور متأخرین علماء کا عمل اس شرط کے خلاف ہے، نیز بعض علماء نے یہ شرط قبول بھی کی ہے اور عمل اس کے خلاف ظاہر کیا ہے، چنانچہ شیخ عوامہ صاحب نے بڑی تعداد میں محدثین کا عمل اس کے خلاف نقل فرمایا ہے اور مثالیں بھی پیش کی ہیں، تفصیل کے لیے شیخ عوامہ صاحب کی کتاب ”حكم العمل بالحديث الضعيف“ (از ص۸۰ تا ۱۰۲) انتہائی مفید ہے۔تقریباً ۴۰ ائمہ ومحدثین کی آراء نقل کی ہیں کہ ان کے نزدیک جب تک حدیث موضوع نہ ہو عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

بلکہ علامہ ابن تیمیہؒ کی "**الكلم الطيب**" میں ۵/ احادیث موضوع ہیں، ۸/ احادیث میں شدید ضعف ہے اور ۴۱/ احادیث ضعیف ہیں۔ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں کذاب راوی کی روایت لی ہے۔ ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں شدید ضعف والی روایات نقل کی ہیں۔ امام ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں شدید ضعف والی روایات نقل کی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب "الکبائر" میں حدیث "**الجنة تحت أقدام الأمهات**" نقل کی، اس کی سند میں کذاب اور متہم بالوضع راوی ہیں۔ وغیرہ۔

والشرط السادس: ...فهذا شرط ما سبق به الحافظ، ولا توبع عليه، وهو مخالف للعموميات التي في أقوال المتقدمين والمتأخرين، وواقعهم العملي...الخ . (حكم العمل بالحديث الضعيف، ص۱۰۸).

شیخ محمد عوامہ چھٹی شرط کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عمل کرنے والا لوگوں کے سامنے عمل ظاہر نہ کرے، یہ شرط حافظ ابن حجرؒ نے بیان کی ہے ان سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی اور نہ بعد میں کسی نے اس کو تسلیم کیا، اور متقدمین ومتأخرین علماء کے اقوال واعمال کے بالکل مخالف ہے، لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

شیخ عوامہ صاحب ساتویں شرط کے بارے میں فرماتے ہیں: **أما الشرط السابع: أن لا يعتقد العامل به سنيته: فلا أعلم من قاله، وهو قول غريب، ولقائل أن يقول: ما وجهة هذا القول؟ ولماذا أعمل عملاً لا أرجو ثواب عمله أو ثواب تركه؟ وهذا كاف في رده. وكيف أعمل عملاً من مسنونات الصلاة، أو اجتنب مكروهاً من مكروهاتها، و دليله ضعيف، وأنا لا اعتقد سنيته أو لا اعتقد كراهيته ؟ !** (حكم العمل

بالحديث الضعيف، ص ۱۰۹).

خلاصہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس سے موعود ثواب کی امید رکھے یا موجود کراہت سے بچے، اگر یہ بات عمل کرنے والے کے سامنے نہ ہو تو عمل کا کیا مطلب؟ استحباب اور کراہت بھی تو احکامِ شریعت میں سے ہیں، لیکن مراتب مختلف ہیں۔ لہذا یہ شرط بھی قابل تسلیم نہیں ہے۔

ضعیف حدیث بیان کرتے وقت ضعف کی تصریح کا حکم:

ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو ضعف کو بیان کیے بغیر اس کی روایت اور اس کی اسانید کے حق میں تساہل دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

(الف) عقائد مثلاً: صفاتِ باری تعالیٰ سے اس کا تعلق نہ ہو۔

(ب) حلال وحرام سے متعلق نہ ہو۔ یعنی مواعظ، ترغیب وترہیب اور قصص وغیرہ سے اس کا تعلق ہو۔ اور اگر موضوع ہو تو وضع کی تصریح کے بغیر اس کی روایت جائز نہیں۔ اس کا لحاظ رہنا چاہیے کہ "ضعیف حدیث" کو اگر سند کے بغیر روایت کیا جائے تو یوں نہ کہنا چاہیے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" بلکہ احتیاطی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں، مثلاً: **عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا، أو بلغنا عنه كذا،** (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے یا ہم کو آپ سے یہ بات پہنچی ہے)۔ (علوم الحدیث، ص۱۲۶، ط: مجلس نشریاتِ اسلام)۔

إيقاظ الهمم میں ہے:

قال بعض أصحاب التحقيق فى رسالة له فى علم أصول الحديث فى تحقيق الحديث الضعيف انه يجوز عند العلماء التساهل فى رواية الضعيف دون الموضوع بان لم يبين ضعفه فى المواعظ والقصص وفضائل الاعمال لافى صفات الله تعالى واحكام الحرام والحلال .

(ايقاظ الهمم ١/٦٣)

قال ابن الصلاح : يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فى الأسانيد ورواية ما سوى الموضوع من أنواع الحديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها فيما سوى صفات الله تعالى والأحكام الشرعية من الحلال والحرام و غيرهما وذلك كالمواعظ والقصص وفضائل الأعمال وسائر فنون الترغيب والترهيب، وسائرما لا تعلق له بالأحكام والعقائد ممن روينا عنه التنصيص على التساهل فى نحوذلك عبد الرحمن بن مهدى و أحمد بن حنبل رحمهما الله .

إذا أردت رواية الحديث الضعيف بغير إسناد فلا تقل فيه: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا، وما أشبه هذا من الألفاظ الجازمة بأنه صلى الله عليه وسلم قال ذلك، وإنما تقول فيه: روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا، أو بلغنا عنه كذا وكذا أو ورد عنه ، أو جاء عنه ، أو روى بعضهم، وما أشبه ذلك . (مقدمه ابن الصلاح ص١٠٢-١٠٣،ط : دارالفكر، بيروت)

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر ایسی ضعیف حدیث کو بغیر سند بیان کیا جائے تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہنا چاہئے بلکہ ایک روایت میں آیا ہے کہنا چاہئے۔ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: **وأما الضعيف فتجوز روايته بلا بيان ضعفه لكن إذا أردت روايته بغير إسناد فلا تقل قال رسول الله كذا وما أشبهه من صيغ الجزم بل قل روي كذا وبلغنا كذا وما أشبهه من صيغ التمريض وكذا ما شك في صحته وضعفه كما فى التقريب .** (فتاوى الشامي: ١/١٢٨،تحت ادلة الوضو،سعيد).

شیخ محمد عوامہ صاحب حفظہ اللہ نے اس موضوع پر مفید بحث فرمائی ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک حدیث ضعیف فضائل میں ہوتو اس کا ضعف یا صیغہ تمریض سے بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ **قال: انه لا يحتاج الى بيان ضعف الضعيف ما دام فى بابه ...** (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص ٢٢٩). **وقال أيضاً : ثالث الملاحظات: هل يجب على العالم أن يقرن ذكر الحديث الضعيف ببيان ضعفه،كما هو الواجب عليه حال ذكره حديثاً موضوعاً؟ وجوابه من كلام علمائنا السابقين ومن واقعهم : أنه لا يجب .** (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص٢٣٧).

شیخ محمد عوامہ صاحب نے ضعیف حدیث کو ”روی“ (یعنی صیغہ تمریض) سے بیان کرنے کے بارے میں تحقیقی بحث فرمائی ہے۔مختصر خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

لكن يشكل عليه [ابن الصلاح] رحمه الله أنه في آخر المسألة السادسة من مسائل الحديث الصحيح ذكر أن (رُوِي): ” تستعمل فى

الحديث الضعيف أيضاً " فأفاد أنها تستعمل فی الصحيح والضعيف ، فقصره لها هنا على الضعيف ونحوه فيه وقفة ، والله أعلم ...

ويتبع هذا المبحث بيان آخر لتصحيح شائعة أخرى، هی: جعل ''رُوی'' علامة دائمة علی ضعف الحديث، وفي هذا (الجعل) خطأ كبير، يحتاج إلى تمهيد ، فأقول:...

إن استعمال ''رُوی'' فيما هو ضعيف، عرف طارئ ومتأخر، ...

أما ائمتنا المتقدمون فلا يعرفون هذا الحصر، ومن المشهور في بحث معلقات الإمام البخاری في صحيحه أنه يصدر بعض معلقاته بصيغة غير الجزم وهي صحيحة أوحسنة، وقد ذكر الحافظ فی''النكت''مثالين ... أما تلميذه الإمام الترمذی: فهذا أمر ظاهر بكثرة كلامه عقب الأحاديث، يشير إلى أحاديث الباب وغيرها بكلمة: رُوی، وكثير منها صحيح، دون صحيح .

بعدازاں شیخ محمد عوامہ صاحب نے ترمذی شریف میں سے چند مثالیں پیش فرمائی ہیں، اور بتایا کہ ہمیشہ رُوی کوضعیف حدیث کے لیے استعمال کرنے میں فاحش خطا کا اندیشہ ہے جیسا کہ شیخ البانی صاحب کوامام ترمذی اورامام شافعیؒ کے کلام سے ہوا۔ بیس رکعت تراویح والی روایت کوفقط امام ترمذیؒ کے رُوی کی وجہ سے ضعیف قراردیا۔ ملاحظہ ہوفرماتے ہیں:

إن الشيخ ناصراً الألباني ادعى في كتابه''صلاة التراويح ''ضعف حديث البيهقی الذی فيه أمرُ عمرَ رضی اللہ عنہ بإقامة صلاة التراويح بعشرين ركعة ولم يصب أبداً في بحثه كله ، ومما ادعى فيه: أن الإمام الترمذی أشار إليه وضَعَّفه ، بناء على أن رُوی دائماً تستعمل للتضعيف...وأما قول الشافعیؒ ففي مختصر المزنی:...وأحب ألي عشرون، لأنه رُوی عن عمر رضی اللہ عنہ، وكذلک يقومون بمكة ويوترون بثلاث. (ص:٢٣٤)

بحث کے آخر میں نصیحت کے انداز میں فرماتے ہیں کہ ہمیشہ علم وعمل کی راہ میں جمہور کے نقش قدم پرگامزن رہنا چاہیے۔اور پگ ڈنڈیوں سے بچنا چاہیے۔

ہاں اگر عالم ضعیف حدیث کے ضعف کو بیان کرنے میں سامعین کا فائدہ دیکھے تو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ،لیکن کبھی حکمت یا مصلحت کی وجہ سے ضعف کو بیان نہ کرے کہ اس میں عمل کی طرف زیادہ رغبت ہوتی ہے اور خیر کی طرف لوگوں کی طلب زیادہ رہتی ہے تو نہ بیان کرے۔ ہمارے سلف اوراکابر علماء نے دونوں پرعمل کرنے کا راستہ ہموار کردیا ہے۔

قال : وأوصى أخی الطالب العلم: أن يكون دائماً في توجهه العلمي والعملي مع التوجه العلمی والعملی لجمهور علماء المسلمين وإياه وبُنَيَّاتِ الطريق .

وإتماماً لهذا الجواب أقول:لا أحد ينكر أن بيان ضعف الضعيف فيه زيادة علم ، و لكن الأمر تابع فيما أرى لحكمة العالم المؤلف أو المتحدث على الناس ، فإن كان يرى الحكمة وتحقيق المراد ببيان ضعف الضعيف بين ، وإن كان يرى سكوته عن بيانه أوعن العمل به، وفيه فائدة ، سلوكية اجتماعية ، وما إلى ذلک من وجوه الخير، سكت

عن البيان .

وقد جمع بعض ائمتنا بين الحسنيين : بيان ضعف الضعيف ، والسكوت عن بيانه ،كالإمام المنذري في "الترغيب"، وصاحبه الدمياطي في "المتجر الرابح" فقد اصطلح كل منهما اصطلاحاً أشار إليه به إلى ضعف الحديث ، فطالب العلم يزداد فائدة ، وغيره يعمل به، ولا يصده عن العمل به ، فجمعا بين زيادة العلم، والترغيب في العمل.

(حكم العمل بالحديث الضعيف،ص۲۳۷).

مطلقاً ضعیف حدیث کو نہ ماننے والوں کے اقوال کا جائزہ:

بعض حضرات نے مطلقاً ضعیف حدیث کو ماننے سے انکار کردیا ہے ۔شیخ محمد عوامہ صاحب نے ان کی عبارات نقل کرنے کے بعد کافی شافی جوابات دیے ہیں، چنانچہ شیخ کی کتاب" حكم العمل بالحديث الضعيف "سے سوالات وجوابات کو نقل کیا جاتا ہے۔ملاحظہ کیجیے:

۱۔ الإمام الشوكانى قال: في الفوائد المجموعة (۱/۲۸۳): إن الأحكام الشرعية متساوية الأقدام، لا فرق بينها فلا يحل إثبات شيء منها إلا بما تقوم به الحجة ، وإلا كان من التقول على اللّٰہ بما لم يقل ،

وفيه من العقوبة ما هو معروف .

قال الشيخ عوامة: وجوابه أن المحدثين قائلون بالجواز أو الاستحباب، أي: بالتخيير بين الفعل والترك ، وغاية ما هنالك عندهم أن التارك فوت على نفسه فضيلة، وما أحد منهم قال بالإثبات، أي: بالوجوب، حتى يطالب بالدليل الصحيح أو الحسن، وهذا واضح من تمييزهم بين الأحكام والفضائل .

وبما أن الأحاديث الضعيفة الواردة في الفضائل كثيرة العدد، فإنا نحرص على العمل بها حرصاً على أن لا يفوتنا الثواب الكريم إن شاء اللّٰہ تعالى .

شیخ نے مزید ارشاد الفحول اور نیل الاوطار سے عبارات نقل فرما کران کا جواب دیا ہے۔ملاحظہ ہو: (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص ۱۳۹ـ ۱۴۶).

۲۔ صديق حسن خان قال في نزل الأبرار (۷): تساهل العلماء وتسامحوا حتى استحبوا العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ، ما لم يكن موضوعاً ، وإلى هذا ذهب الجمهور، وبه قال النووي، وإليه نحا السخاوي وغيره، ولكن الصواب الذي لا محيص عنه أن الأحكام الشرعية متساوية الأقدام، فلا ينبغي العمل بحديث حتى يصح أو يحسن لذاته أو لغيره أو انجبر ضعفه فترقى إلى درجة الحسن لذاته أو لغيره .

قال الشيخ محمد عوامة:...ومعلوم من عبارات العلماء أن

مقابل الصواب الذى لا محيص عنه، هو الخطأ المحض الذى لايقبل معه اعتذار أو تأويل، وبالتالي: فهو ينسب هذا الخطأ المحض إلى العلماء كافة !! مع أنه في درجة من الجهل لا يستطيع أن يعبر تعبيراً سليماً . (ص٢٤٧).

٣ـ الشيخ محمد طاهر الجزائري قال في توجيه النظر (٢/٦٥٣) ذهب قوم إلى جواز الأخذ بالضعيف والتساهل في أسانيده... نقل ذلك عن ابن مهدي وأحمد وذكر قولهما، ثم ذكر الشروط الثلاثة ، وثالثها: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط....ومن نظر في الأحاديث الضعيفة نظر إمعان وتدبر تبين له أنها إلا القليل منها يغلب على الظن أنها غير ثابتة في نفس الأمر، يريد غير ثابتة بشواهدها العامة .

قال الشيخ عوامة: إن الأمر على خلاف هذا، ومن ينظر في الكتب الكثيرة التي نقلت عنها أو أشرت إليها و خاصة منها كتاب الإمام المنذري ير الشيء الكثير من ذلك، أما من ينظر في موضوعات ابن الجوزي أو العلل الواهية له فنعم سيرى القارئ أن الكثير منها غير ثابت .

٤ـ الشيخ أحمد محمد شاكر في الباعث الحثيث (٨٥): إنه لا فرق بين الأحكام وبين فضائل الأعمال ونحوها في عدم الأخذ بالرواية الضعيفة بل لا حجة لأحد إلا بما صح عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه

وسلم من حديث صحيح أو حسن .

قال الشيخ عوامة: إنه يكفي في رده أنه قول ما قيل من قبل أحد من أئمتنا السابقين، والمحدثون والفقهاء وجل الأصوليين على التفرقة بين ما يترتب على الأحكام وبين ما يترتب على الفضائل. أما قوله: ولا حجة لأحد إلا بما صح: فهذا صحيح في ذاته وليس صحيحاً هنا، إذ الحجة بمعنى اللزوم والوجوب: نعم، لا حجة ولا لزوم ولا وجوب إلا بما صح، أما على سبيل الاحتياط أو التخيير فلا ، وحينما نجزم بوضع الحديث أو نكارة معناه أو خطأ راويه في لفظة مثلاً وجب علينا بيانه بل وجب الإعراض عنه كلياً بأي وسيلة إلا لبيان ما فيه، أما والأمر على احتمال صحة سنده أو صحة معناه من شواهده الخارجية فلا ، وقد كان في أئمتنا أئمة العلم والدين من الغيرة على شريعة اللّٰه عامة، وعلى سنة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خاصة ، أكثر مما نحن عليه، رحمهم اللّٰه تعالى وجزاهم خيراً وكان من غيرتهم على الشريعة أن لا يسقطوا الحديث الضعيف المحتمل الصحة لئلا يخرجوا معناه عن دائرة الشرع .

٥ـ الشيخ ناصر الدين الألباني في مقدمة سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة (٤٧) وغيرها: من المصائب العظمى التي نزلت بالمسلمين منذ العصور الأولى انتشار الأحاديث الضعيفة والموضوعة بينهم، لا أستثني أحداً منهم ولو كانوا علمائهم إلا من شاء اللّٰه منهم من

أئمة الحديث ونقاده، كالبخاري وأحمد وابن معين وأبي حاتم الرازي وغيرهم وقد أدى انتشارها إلى مفاسد كثيرة منها ما هو من الأمور الاعتقادية الغيبية ومنها ما هو من الأمور التشريعية .

قال الشيخ عوامة : إن انتشار المفاسد العقدية والتشريعية ليس من رواية الأئمة المتقدمين للأحاديث الضعيفة في كتبهم المسندة ولا من روايتهم في كتبهم العامة المصنفة في الرقاق والترغيب والترهيب إنما هو من سوء التطبيق العملي لقولهم: يعمل بالضعيف في فضائل الأعمال، وكما أنا نرى أحياناً سوءاً في التطبيق العملي ممن يقرأ القرآن الكريم أو صحيح البخاري أو صحيح مسلم مثلاً فيفهم الآية الكريمة أو الحديث الصحيح على غير وجهه فلا يجوز لنا أن ننهى الناس عن قراءة القرآن أو الحديث الصحيح إنما نوجههم إلى فهمه على يد عالم بصير .

بعض علماء کی طرف منسوب اقوال کی تحقیق:

بعض حضراتِ علماء کی طرف یہ منسوب ہے کہ انھوں نے ضعیف حدیث کو مطلقاً قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ذیل میں ان کی طرف منسوب عبارات کے ساتھ ان کے مذہب کی وضاحت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی کتاب ”حکم العمل بالحدیث الضعیف“ سے ملاحظہ کیجیے:

١ـ الإمام يحيى بن معين؛ فقد نسب إليه هذا القول في عدد من كتب الحديث نقلاً عن مقدمة عيون الأثر لابن سيد الناس (١/٢٤): سمح كثير من الناس في حمله عمن لا تحمل عنه الأحكام، وممن حكي عنه الترخص في ذلك الإمام أحمد وممن حكي عنه التسوية في ذلك بين الأحكام وغيرها يحيى بن معين .

قال الشيخ عوامة بعد ذكر عبارة عيون الأثر: هذا ما جاء في عيون الأثر بتمامه في طبعيته ، ونسخة خطية منه، جاء أولا نقل عن ابن معين فيه شيء من الغموض (حكي عنه التسوية في ذلك بين الأحكام وغيرها) ثم جاء بعد أسطر شيء من توضيحه (التسوية بين المرويات من الأحكام وغيرها، والقبول مطلقاً أو عدمه، من غير تفصيل). ومعناه أن ابن معينٍ لا يفرق بين الأحكام والفضائل، والأمر تابع لنظره في الراوي إما مقبول أو مردود،.... فأين النقل الصريح عن ابن معين في منع العمل بالضعيف مطلقاً .

ثم قال بعد ذلك: النصوص عن ابن معين كثيرة وهي مؤيدة لهذا التفرقة منه، من ذلك قوله الذي قدمته عن زياد البكائي: ليس بشيء وقد كتبت عنه المغازي وقال عنه (٣٤٨) أيضاً: لا بأس به في المغازي وأما في غيره فلا . وقال في بكر بن خنيس: شيخ صالح لا بأس به إلا أنه يروي عن ضعفاء ويكتب حديثه في الرقاق كما في ترجمته عند الخطيب (٧/٥٤٣). ومثل هذا ونحوه كثير أحيل إلى بعضه

ترجمة إدريس بن سنان عند ابن عدي وموسى بن عبيدة الربذي عند العقيلي وأبي معشر نجيح بن عبد الرحمن السندى عند المزي وغيرهم . وأمام هذه الأقوال الصريحة من ابن معين في دلالتها على المراد فإن كلام ابن سيد الناس يبقى في محل نظر والتوقف، مهما كان معناه غامضاً أو واضحاً .

٢ـ الإمام أحمد بن حنبل فهم من بعض مواقفه أنه لا يعمل بالضعيف، وذلك كما جاء في شرح الكوكب المنير للفتوحي (٥٦٩/٢) يعمل بالحديث الضعيف في الفضائل، عند الإمام أحمد والموفق والأكثر، وعن أحمد رواية أخرى لا يعمل به، ولهذا لم يستحب صلاة التسبيح، لضعف خبرها عنده، مع أنه خبر مشهور عمل به، وصححه غير واحد من الأئمة ، ولم يستحب أيضاً التيمم بضربتين على الصحيح عنه مع أن فيه أخباراً وآثاراً، وغير ذلك من مسائل الفروع .

قال الشيخ عوامة: الأمر كما قال في صلاة التسبيح لم يستحبها، وعدم استحبابه لها يحتمل والله أعلم لما فيه من زيادة على هيئة النافلة المعهودة، مع ضعف سندها، ولو لا هذه الزيادة لأباحها .

وأما الاقتصار في التيمم على ضربة واحدة فهذا وقوف منه عند حديث عمار بن ياسر رضي الله عنهما: أن التيمم ضربة للوجه والكفين، وحديث أن التيمم ضربتين ثبت من فعل ابن عمر، ولم يصح

عنه مرفوعاً.

على أن عبارة الفتوحي كما نقلتها لم يستحب صلاة التسبيح، ولم يستحب التيمم بضربتين، والاستحباب شيء والجواز شيء فهل يمنع الإمام أحمد صلاة التسبيح لمجرد ضعف إسنادها عنده فقط؟ وهل يمنع التيمم بضربتين؟ الجواب:قال الموفق ابن قدامة في شرحه المغني (٢٤٥/١) المسنون عند أحمد التيمم بضربة واحدة، فإن تيمم بضربتين جاز. وقال أيضاً في المغني(٧٦٨/١) فأما صلاة التسبيح فإنه قال ما تعجبني قيل له لم؟ قال ليس فيها شيء يصح، ونفض يده كالمنكر ثم ذكر الموفق الحديث فيها بطوله وقال آخره: لم يثبت أحمد المروي فيها ولم يرها مستحبة وإن فعلها إنسان فلا بأس، فإن النوافل والفضائل لا يشترط صحة الحديث فيها .

ولا بد من تأويل لهذا الإنكار، ليتلاء م آخر كلام مع أوله، وليتلاء م مع خطه العام وموقفه من أحاديث الفضائل، ولعل ما ذكرته يكون مناسباً ، و هو ما فيها من الزيادة على الهيئة المعهودة في الصلوات .

٣ـ الإمام البخاري: استظهر هذا المذهب له القاسمي (قواعد التحديث ١١٦) وجزم به الكوثري (المقالات،٥٤) والألباني (سلسلة الضعيفة ٤٧) وتوبعوا، ونسبة هذا المذهب إليه نسبة غريبة جدا من القاسمي والكوثري لكنها من الألباني أغرب ذلك أن القاسمي والكوثري ليس

لهما موقف أخر مع البخاري، أما الألباني فدعواه على البخاري أغرب وأغرب، لأنه هو الذي عمل ضعيف الأدب المفرد وذكر فيه ٢١٥ حديثاً وأثراً فكيف يلتقي هذا العمل مع تلك النسبة .

وقد أطال شيخنا رحمه الله وأطاب في تجلية مذهب البخاري في هذه المسألة وذلك في تعليقه على ظفر الأماني (١٨٢) للكنوي رحمه اللّٰه.

٤- الإمام مسلم: لم ينقل عن الإمام قول أو فعل صريح في الإثبات أو النفي، والشيخ جمال الدين القاسمي استظهر أن يكون مذهب مسلم مذهب البخاري، لكلامه الشديد على من يروي الأحاديث الضعيفة المنكرة ، وسبق القاسميَّ إمام هو الحافظ ابن رجب فاستظهر أن يكون مسلم على هذا القول إذ قال في شرح العلل (٧٤/١) ظاهر ما ذكره مسلم في مقدمة كتابه يقتضي أنه لا تروى أحاديث الترغيب والترهيب إلا عمن تروى عنه الأحكام .

قال الشيخ عوامة: أرجو من كل قارئ كريم منصف أن يبدىء ويعيد قراءة كلام الإمام مسلم الذي قاله في رواية الأحاديث الضعيفة ، وهي تبدأ من السطر الرابع صفحة ٨ من مقدمته، وتنتهي بالسطر السادس من الصفحة ٩ ، هل تراه يذكر الحديث الضعيف وحده مرة واحدة ليس معه كلمة منكر و مستنكر و نحوهما ؟ و على هذا فلو وجدنا بعض كلمات للإمام مسلم فيها إطلاق الضعف للزم تفسيرها

بالضعيف المستنكر لا مطلق الضعف ، يريد ما أنكر معناه فهذا هو الذي يرده الإمام مسلم سواء كانت هذه النكارة من راو لين أو متوسط الضعف أو شديد الضعف واللّٰه أعلم .

٥- الإمام محمد بن يحيى الذهلي: أسند إليه الخطيب في الكفاية (٢٠) قوله: لا يكتب الخبر عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى يرويه ثقة، حتى يتناهى الخبر إلى النبي صلى اللّٰه علهه وسلم بهذه الصفة ، و لا يكون فيهم رجل مجهول ولا رجل مجروح فإذا ثبت الخبر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بهذه الصفة وجب قبول العمل به وترك مخالفته .

قال الشيخ عوامة: ففهم منه بعض الباحثين أنه لا يجيز العمل بالضعيف مطلقاً، لا بالأحكام ولا بالفضائل وهو فهم خاطئ ناشئ عن عدم التفرقة بين قول علمائنا: يجب العمل ويجوز العمل ، فقول أبي زكريا الذهلي: وجب العمل به أي صار العمل به واجباً أو فرضاً لا جائزاً فهل من علمائنا من يقول: يجوز العمل بالصحيح الذي استوفى شروط الصحة أو يقول جميعهم العمل به واجب ؟

٦-٧-٨- الرازيون الثلاثة: أبو زرعة، أبو حاتم ، وابنه: استدل من نسب إليهم القول بعدم العمل بالضعيف مطلقاً بقول ابن أبي حاتم في آخر مقدمته لكتابه المراسيل (١٥) سمعت أبي وأبا زرعة يقولان: لا يحتج بالمراسيل ولا تقوم الحجة إلا بالأسانيد الصحاح المتصلة

وكذا أقول أنا .

قال الشيخ عوامة: وهذه النسبة إلى هؤلاء الأئمة مثل سابقها، يتعجب من قائلها كيف لا يفرق بين الحجة التي توجب العمل ، وعدم الحجية التي لا توجب العمل؟ فهم يقولون لا يحتج بالمراسيل أي لا يجب العمل بها لا أكثر ولا أقل أما جواز العمل بها واستحبابها فأمر مسكوت عنه عندهم.

٩ـ أبوحاتم ابن حبان: احتج بقوله في كتابه المجروحين (٣٢٧/١) في ترجمة سعيد بن زياد بن فائد الدارمي وذكر أنه يروي نسخة عن أبيه عن جده وقال: لا أدري البلية فيها منه ، أو من أبيه أو من جده لأن أباه وجده لا يعرف لهما رواية إلا من حديث سعيد ، والشيخ أي الراوي إذا لم يرو عنه ثقة فهو مجهول لا يجوز الاحتجاج به، لأن رواية الضعيف لا تخرج من ليس بعدل عن حد المجهولين إلى جملة أهل العدالة كأن ما روى الضعيف وما لم يرو في الحكم سيان.

قال الشيخ عوامة: والمرجو هنا توضيح وجه المناسبة بين هذا القول والمسألة التي نحن فيها: جواز العمل بالحديث الضعيف في الفضائل . فنسبة القول بعدم العمل بالضعيف إلى ابن حبان نسبة غير صحيحة أبدا، والدليل على ذلك عدم وجود نقل عنه دال على ذلك، بل الدليل الصريح على خلافه. فابن حبان هو صاحب كتاب روضة العقلاء ونزهة الفضلاء وهو كتاب واضح من عنوانه ومن كل

صفحاته أنه في الفضائل الأخلاقية والآداب الاجتماعية، وعادته فيه أن يصدر الباب بحديث شريف ثم يتبعه بأقوال العلماء وشعر الأدباء. ولا ريب أنه كان يتحرى الصحاح، إذا وضح منها المراد المناسب للباب فإذا لم يجد نزل إلى الضعاف.

١٠ـ الإمام أبو سليمان الخطابي نسب إليه هذا المذهب اعتماداً على كلام طويل قاله في مقدمة كتابه معالم السنن (٣/١) وهو كلام لا يمت إلى ما نحن بسبيله أبداً، ولو لا طوله لنقلته. وأما ذكره للحديث الضعيف والمنقطع فإنما جاء في عتبه على الفقهاء الذين يقبلونها إذا كان مما اعتمد عندهم في كتبهم، وليس مراده رده مطلقا، إنما أراد حالاً خاصة من تعاملهم بالضعاف. وأقول إن فيها استعجالاً وعدم نظر في كتبه الأخرى، لكشف الحقيقة أكثر وأكثر، وهاهنا كذلك ينبغي النظر في كتب الخطابي الأخرى. منها كتابه المشهور العزلة فإنه جرى فيه على سنن العلماء الآخرين. ومنها كتابه الذي سماه الحافظ ابن ناصر الدين الدمشقي في مجالسه في تفسير قول الله تعالى لقد من الله على المؤمنين (١٥٩) الدعاء ومعاني أسماء الله تعالى، وطبع باسم شأن الدعاء وينظر على سبيل المثال من هذا الكتاب الأحاديث: (١١، ٨١، ١٠٨، ١١٤) وخلاصة ما يقال في حق الإمام الخطابي أن قوله الذي نقل عنه لا يفيد شيئاً مما فهم عنه، وأن واقعه في كتبه الأخرى على خلاف ذلك .

١١ـ الإمام أبو محمد ابن حزم نسب إليه القاسمي والكوثري هذا المذهب، ونقل القاسمي عنه كلاماً قاله في الفِصَل: خامساً: شيء نقل كما ذكرنا إما بنقل أهل المشرق والمغرب أو كافة عن كافة أو ثقة عن ثقة حتى يبلغ إلى النبي صلى الله عليه وسلم إلا أن في الطريق رجلاً مجروحاً بكذب أو غفلة أو مجهول الحال فهذا أيضاً يقول به بعض المسلمين ولا يحل عندنا القول به .

قال الشيخ عوامة : فقد تمسك به بعضهم على أن ابن حزم لا يجيز العمل بالضعيف وهو محتمل ولا أرى فيه مجالا للجزم، ذلك أنه قاله في سياق مصادر الدين والأصل فيه أن يراد به أحكامه الأصلية، لا فرعياته من المستحبات والكمالات والفضائل، فلا يناهض هذا النص المحتمل قوله الذي قدمته من المحلى (١٤٨/٤) في دعاء القنوت: القنوت ذكر الله ودعاء فنحن نحبه وهذا الأثر: أللهم اهدني فيمن هديت، وإن لم يكن مما يحتج به فلم نجد فيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم غيره، وقد قال أحمد بن حنبل رحمه الله: ضعيف الحديث أحب إلينا من الرأي، قال علي (هو ابن حزم) وبهذا نقول .

١٢ـ الإمام أبو بكر ابن العربي قال في شرحه المختصر على المؤطأ المسمى بـ "القبس" (٣٣٨/١) : باب سترة أي السترة بين يدي المصلي من أجل المارة أمامه، فيه أحاديث كثيرة، منها حديث أبي هريرة رضي الله عنه إذا صلى أحدكم فليجعل بين يديه ما يستره ، و قال: قال قوم

رأسهم أحمد أي قال قوم بمقتضى هذا الحديث وعلى رأسهم الإمام أحمد ثم قال وهذا الحديث لو صح لقلنا به إلا أنه معلول فلا معنى للنصب فيه. وقال بعده مباشرة مع التعليق(٣٤١/١) قال لي أبو الوفاء علي بن عقيل وأبو سعيد البرداني شيخا مذهب أحمد: كان أحمد يرى أن ضعيف الأثر خير من قوي النظر وهذه وهلة لا تليق بمنصبه الرفيع، لأن ضعيف الأثر كالعدم لا يوجب حكما والنظر أصل من أصول الشريعة عليه عول السلف ومنه قامت الأحكام، وبه فصل بين الحلال والحرام. ونقله أبو شامة في كتاب الجهر بالبسملة (٥٣٦) وعنه الزركشي في النكت (٨٨٤/٣) لكن لفظ ابن العربي عنده في استدراكه على أحمد هو: ضعيف الأثر لا يحتج به مطلقاً، والمعنى واحد .

وقال في شرحه الكبير على المؤطأ المسمى المسالك في شرح مؤطأ مالك (٤٨٧/٣) لا تشتغلوا من الحديث بشيء إلا بالصحيح منه، وقال نحوه في أحكام القرآن (٧٨/٢) عنه كلامه على آية الوضوء في سورة المائدة : لا تشتغلوا من الأحاديث بما لا يصح سنده .

قال الشيخ عوامة: فهذه أربعة نقول عن ابن العربي لكن لا بد لفهمها على وجه صحيح سليم أن تقرأ بتأمل مع نقول أخرى عنه فمنها: قوله في عارضة الأحوذي (٢٠٢/٥) في سياق كلامه على الإمام الحارث المحاسبي المتوفى سنة ٢٤٣، الذي وصفه الحافظ ابن حجر في النكت على ابن الصلاح (٥٨٤/٢) بأنه من أئمة الحديث والكلام،

قال ابن العربي: الذي عندي في ذلك والله أعلم، ما رويناه عن أحمد بن حنبل يستجيز لين الحديث في الورع، ورضي الله عن البخاري الذي لم ير أن يتعلق القلب ولم يرتبط الدين إلا بالصحيح، وبه نقول، ولو ملنا إلى مذهب أحمد فلا يكون التعلق بلين الحديث إلا في المواعظ التي ترقق القلوب، فأما في الأصول فلا سبيل إلى ذلك.

ومنها قوله في العارضة (٢٠٥/١٠) في شرح حديث الترمذي: يشمت العاطس ثلاثاً، وقال فيه حديث غريب وإسناده مجهول، قال ابن العربي وهو وإن كان مجهولاً فإنه يستحب العمل به لأنه دعاء بخير وصلة للجليس وتودد له. ونقله الحافظ في الفتح (٢٠٦/١٠) وزاد في آخره زيادة ظاهرها من كلام ابن العربي قال: فالأولى العمل بها .

قال الشيخ عوامة: هذا النقل مدخول إما في سياقه وموقع كلامه وإما في دقته. وأريد بالاحتمال الأول أن ابن العربي قال هذا القول في حديث ضعيف جدا ، منكر، فجاء النقل عنه مبتوراً عن سياقه وسباقه. وأريد بالاحتمال الثاني أن ابن العربي قال ضعيف الأثر لا يحتج به مطلقاً، فنقله ناقل: ضعيف الأثر لا يعمل به مطلقاً وفرق كبير بين لا يعمل به ولا يحتج به ، فهذا اللفظ الثاني معناه لا يجب العمل به أما الجواز فشيء آخر وأما قولهم لا يعمل به ففيه نفي العمل به على سبيل الجواز والاستحباب والوجوب .

وعلى هذا فكلام ابن العربي لا يفيد شيئاً في موضوع بحثنا، لا

سيما مع ما نقلته عنه من الكلام الصريح في العمل بالضعيف .

١٣ـ الإمام أبو شامة المقدسي واستدل بقوله في كتابه الباعث على إنكار البدع والحوادث (٥٥) وهو يتحدث عن الصيام في رجب، كنت أود أن الحافظ لم يقل ذلك فإن فيه تقريراً لما فيه من الأحاديث المنكرة،فقدره أكبر من أن يحدث عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بحديث يرى أنه كذب ولكنه جرى فيه على عادة جماعة من أهل الحديث، يتساهلون في أحاديث فضائل الأعمال، وهذا عند المحققين من أهل الحديث، وعند علماء الأصول والفقه خطأ، بل ينبغي أن يبين أمره إن علم وإلا دخل تحت الوعيد في قوله صلى اللّٰه عليه وسلم من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين .

قال الشيخ شبير أحمد العثماني في فتح الملهم (١٥٧/١): ليس في هذا الكلام الذي نقلته عن الإمام أبي شامة النكير على الأخذ بالضعيف في فضائل الأعمال، بل إنما أنكر رحمه اللّٰه على رواية ابن عساكر، وسرده الأحاديث المنكرة من غير بيان ضعفها ونكارتها، مع كونه محدثاً حافظاً جليل القدر، وخشي أن يأتي قوم لا رسوخ لهم في علم الحديث ، فيعتمدون على نقل ابن عساكر، ويعتقدون ثبوت هذه الأحاديث المنكرة الواهية، مع أنها لم يثبت عند المحدثين .

١٤ـ الإمام ابن تيمية رحمه اللّٰه ؛ قال: لايجوز أن يعتمد فى الشريعة على الأحاديث الضعيفة التي ليست صحيحة ولا حسنة الخ.

قال الشيخ عوامة: وخلاصته الأولى والأخيرة أن الأحاديث الضعيفة التي يعمل بها يشترط فيها: ١ ـ أن تكون دالة على أعمال ثبتت مشروعيتها بأدلة أخرى كالتلاوة، والذكر، واجتناب الأعمال السيئة .

٢ ـ وهذا العمل بالضعيف يكون على سبيل الجواز والإباحة ، لا الاستحباب .

٣ ـ و أن لا يكون ضعفه نازلاً به إلى درجة الموضوع .

٤ ـ وألحق بالضعاف التي يعمل بها: الإسرائيليات ، ومنامات الصالحين ، وكلمات السلف ، ووقائع العلماء ...

٥ ـ أما الأحاديث التي تضمنت تقديراً وتحديداً، مثل صلاة في وقت معين ، بقراءة معينة ، وعلى صفة معينة ، غير مشروعة بدليل ثابت: فلا يجوز العمل بالضعيف الدال عليها. ويمكن القول بناء على هذه الخلاصة: إن ابن تيميةؒ معدود في مصاف العلماء القائلين بجواز العمل بالحديث الضعيف ولو اشتد ضعفه ، مالم يكن موضوعاً . (حكم العمل بالحديث الضعيف ،ص ٢١٢ ـ ٢١٣).

١٥ ـ الإمام الجلال الدواني رحمه الله قال في أنموذج العلوم وهو بطوله في الأجوبة الفاضلة (٥٦): اتفقوا على أن الحديث الضعيف لا تثبت به الأحكام الشرعية ، ثم ذكروا أن يجوز، بل يستحب العمل بالأحاديث الضعيفة في فضائل الأعمال وممن صرح به النووي في كتبه لا سيما الأذكار وفيه إشكال لأن جواز العمل واستحبابه كلاهما

من الأحكام الخمسة الشرعية، فإذا استحب العمل بمقتضى الحديث الضعيف، كان ثبوته بالحديث الضعيف، وذلك ينافي ما تقرر من عدم ثبوت الأحكام بالأحاديث الضعيفة .

قال الشيخ عوامة: إن الدواني نقل جواباً ورده ثم ذكر من عنده جواباً وناقشه، وقال آخر كلامه: وحاصل الجواب أن الجواز معلوم من خارج والاستحباب أيضاً معلوم من القواعد الشرعية الدالة على استحباب الاحتياط في أمر الدين، فلم يثبت شيء من الأحكام بالحديث الضعيف، بل أوقع الحديث الضعيف شبهة الاستحباب فصار الاحتياط أن يعمل به، واستحباب الاحتياط معلوم من قواعد الشرع. فهل يجوز أن ينسب إليه القول بعدم جواز واستحباب العمل بالضعيف مع هذه النتيجة .

وبعد: فهؤلاء خمسة عشر إماماً نسب إليهم القول بعدم جواز العمل بالحديث الضعيف وتبين من خلال دراسة أقوالهم عدم صحة هذه النسبة إليهم، وبقي من العشرين الذين ذكرت أسماؤهم خمسة: الشوكاني، وصديق حسن خان، وأحمد شاكر، والألباني، وطاهر الجزائري وتقدم الكلام أن هذه النسبة إليهم صحيحة إلا الشوكاني فقد اختلف النقل عنه، وإلا الجزائري فإنه ختم بحثه بجواز العمل بالضعيف بالشروط المعروفة .

اس مفصل بحث کے اخیر میں شیخ فرماتے ہیں: اس تحقیق اور تتبع کے بعد میں اپنی

پہلی بات کواور مؤکداور مضبوط کرتا ہوااب پھر کہتا ہوں کہ کسی امام سے نقل صحیح ،صریح سے یہ بات ثابت نہیں کہ انھوں نے مطلقاً ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہو،

قال الشيخ محمد عوامة: وبعد هذا الاستعراض والاستقراء : أؤكد ما قلته أول كلامي، وأقوله آخر كلامي: إنه لايوجد نقل صحيح صريح عن إمام يقتدى به في هذا العلم الشريف، فيه منع العمل بالحديث الضعيف مطلقاً ، والله أعلم . (مأخوذ من حكم العمل بالحديث الضعيف، للشيخ محمد عوامة حفظه الله ورعاه ، ص ١٣٨ــ ٢٢٠).

ضعیف احادیث سے ثابت ہونے والے مستحبات کی چند مثالیں:

(۱) مؤذن کیلئے کلماتِ اذان ٹھیر ٹھیر کر کہنا مستحب ہے اور اقامت میں جلدی کہنا مستحب ہے اور جوروایت مستدل ہے وہ ضعیف ہے ملاحظہ ہو:

ذكر أصحابنا أنه يستحب للمؤذن أن يترسل فى الأذان، ويحدر أى يسرع فى الإقامة، واستدلوا له بحديث رواه الترمذى عن عبد المنعم بن نعيم عن يحيى بن مسلم عن الحسن وعطاء عن جابر أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال لبلال: يا بلال! إذا أذنتَ فترسل في أذانك، وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانك وإقامتك قدر ما يفرغ الآكل من أكله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتى تروني . (سنن الترمذى:١/٤٨)

قال الترمذى: هذا حديث لا نعرفه إلا من هذا الوجه، من حديث عبد المنعم ، وهو إسناد مجهول.

وعبد المنعم هذا ليس له فى جامع الترمذى إلا حديث واحد هذا، وقد ضعفه الدارقطنى وجماعة أخرى .

وأخرجه الحاكم في مستدركه عن عمروبن فائد الاسوری، عن يحيى بن مسلم، بسنده السابق. وليس فی إسناده مطعون غير عمروبن فائد . لكن لما كان الحديث الضعيف كافياً فی فضائل الأعمال، حكموا باستحباب ذلک مع كونه مؤيداً بعمل الصحابة ومن بعدهم .

(ظفرالامانی ص١١٢)

(٢) مسح الرقبة گردن کا مسح کرنا مستحب ہے اور روایت ضعیف ہے:

ومن ذلک ایضا ما ذکره اصحابنا: انه یستحب فی الوضوء مسح الرقبة، واستدلوا بحدیث مروی فی ذلک، وان کان ضعیفا فروی أبوداود وأحمد من حدیث طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده قال: رأیت رسول الله ﷺ یمسح راسه مرة واحدة حتی بلغ القذال.

ووقع فی سنن ابی داود تفسیره بأول القفا .

وروی الطحاوی فی شرح معانی الآثار حدثنا ابن مرزوق، قال: حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارث، قال: ثنا ابی وحفص بن غیاث عن لیث عن طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده قال: رأیت رسول الله ﷺ مسح مقدم راسه حتی بلغ القذال من مقدم عنقه.

وروی ابوعلی بن سکن فی کتاب الحروف من حدیث مصرف بن عمروبن السری بن مصرف بن عمروبن کعب عن ابیه عن جده یبلغ به عمروبن کعب قال: رأیت رسول الله ﷺ توضأ فمسح لحیته وقفاه. وهذه الاحادیث ضعیفة لاجل مصرف بن عمرو......

وروی الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث ابن عمر مرفوعا: مسح الرقبة امان من الغلّ یوم القیامة. قال العراقی فی تخریج احادیث الاحیاء : هذا الحدیث ضعیف. (ظفر الامانی ص١١٣)

قال الملا علی القاریؒ:

مسح الرقبة امان من الغلّ قال النووی فی شرح المهذب انه موضوع قلت: لکن رواه عبید القاسم بن عبد الرحمن عن موسی بن طلحة قال: من مسح قفاه مع راسه وقی عن الغل والحدیث موقوف الا انه فی الحکم مرفوع لان مثله لایقال بالرای ویقویه ما روی مرفوعا من مسند الفردوس من حدیث ابن عمرؓ لکن بسند ضعیف والضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال اتفاقا ولذا قال ائمتنا ان مسح الرقبة مستحب اوسنة. (الموضوعات الکبیرص١٠٨)

(٣) فقہاء نے لکھا ہے کہ صلاۃ التسبیح کی نماز مستحب ہے حالانکہ حدیث ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: ترمذی شریف میں ہے:

باب ما جاء في صلاة التسبيح : حدثنا أبو كريب محمد بن العلاء نا زيد بن حباب العكلي ناموسى بن عبيدة قال حدثني سعيد بن أبي سعيد مولى أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبي رافع قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للعباس: يا عم...الخ .

قال أبوعيسىٰ: هذا حديث غريب من حديث أبي رافع...وقد روى عن النبى ﷺ غير حديث فی صلاة التسبيح و لا يصح منه كبير

شيء وقد روى ابن المبارك وغير واحد من أهل العلم صلاة التسبيح وذكروا الفضل فيه...(سنن الترمذی: ١/١٠٩،ط: فیصل)

قال العلامہ الكشميري في العرف الشذي: وكلام الحافظ مضطرب في الحكم على حديث التسبيح فانه قال في التلخيص ان كل الأسانيد ضعيفة...(العرف الشذی علی جامع الترمذی ١/١٠٩)

(۴) **صلاة الأوابين** : مغرب کے بعد چھ رکعات مستحب ہیں اورروایت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم :" من صلیٰ بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة ". قال أبوعيسیٰ وقد روي عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: " من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى اللّٰه له بيتاً في الجنة".قال أبوعيسیٰ حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث زيد بن الحباب عن عمر بن أبي خثعم قال:وسمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن عبد اللّٰه بن أبي خثعم منكرالحديث وضعفه جداً. (سنن الترمذی:٢/٩٨، فیصل)

قال العلامة الكشميریؒ: لم يصح فيها حديث وحديث الباب أيضاً ضعيف والعمل به مع ضعفه. (العرف الشذی علی جامع الترمذی ١/١٠١)

وقال الملا على القاري: وهو ضعيف بإجماع أهل الحديث...أنهم أجمعوا على جواز العمل بالحديث الضعيف في

فضائل الأعمال...(مرقاۃ المفاتیح: ٣/١١٤)

(۵) عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ کواہل وعیال پرکھانے پینے وغیرہ میں وسعت اورفراخی کرنا مستحب ہے حالانکہ حدیث ضعیف ہے۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

أخرجه البيهقي في الشعب من حديث أبي سعيد الخدري وأبي هريرة و ابن مسعود وجابر رضی اللّٰه تعالى عنهم وقال: أسانيده كلها ضعيفة . (الموضوعات الکبیر:١/١٢٧)

تنبیہ: یادرہے کہ یہ حدیث مختلف طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ بھی بن سکتی ہے۔ مزید تفصیل فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد١، وجلد٨ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(٦) **تلقين بعد الدفن** کوعلمائے شافعیہ وحنابلہ نے مستحب لکھا ہے حالانکہ حدیث ضعیف ہے۔علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

ومن أفتى بالتلقين الشيخ عز الدين بن عبد السلام وإنما استحبه ابن الصلاح وتبعه النووي نظراً إلى أن الحديث الضعيف يتسامح به في فضائل الأعمال . انتهى. (الاجوبۃ الفاضلۃ ص٣٨)

قال ابن القيمؒ: وقد سئل عنه(التلقين) الإمام أحمدؒ فاستحسنه واحتج عليه بالعمل . ويروى فيه حديث ضعيف ذكره الطبراني في معجمه من حديث أبي عمامة... فهذا الحديث وإن لم يثبت، فاتصال العمل به في سائر الأمصار والأعصار من غير إنكار كاف في العمل به. (الروح ص١٦)

(٧) عیدالفطر وعیدالاضحیٰ دونوں راتوں میں عبادت کرنا مستحب ہے اورحدیث

ضعیف ہے۔ قال الإمام النووی: اتفقوا علی استحباب إحیاء لیلتی العید . (شرح مسلم : ۷۱/۸)

قال أصحابنا: یستحب احیاء لیلتی العیدین بصلاۃ او غیرها من الطاعات واحتج له اصحابنا بحدیث ابی امامة عن النبی ﷺ من احیی لیلتی العید لم یمت قلبه یوم تموت القلوب وفی روایه الشافعی وابن ماجة من قام لیلتی العید ین محتسبا لله تعالی لم یمت قلبه حین تموت القلوب. رواه عن ابی الدرداء موقوفا وروی من روایة ابی امامة موقوفاً علیه ومرفوعا کما سبق واسانید الجمیع ضعیفة . (المجموع: ۵/۴۷)

مواهب الجلیل میں ہے:

استحب إحیاء لیلة العید... وروی مرفوعاً وموقوفاً وکلاهما ضعیف لکن احادیث الفضائل یتسامح فیها. (مواهب الجلیل ۱۹۳/۴)

(۸) ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ جب نماز پوری فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ مبارک پیشانی پر رکھ کر یہ دعا پڑھتے" بسم الله الذی لا اله الا هو الرحمن الرحیم اللهم اذهب عنی الهم والحزن.

یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو طرق کے ساتھ مروی ہے لیکن دونوں طرق ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) عن کثیر بن سلیم (ضعیف) عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا صلی وفرغ من صلاته مسح بیمینه علی

رأسه وقال:" بسم الله الذي لا إله إلا هو الرحمن الرحیم، اللّٰهم اذهب عنی الهم والحزن".

أخرجه الطبرانی فی "الاوسط" (۳۲۰۲)، وفی "الدعاء" (۶۵۹)، وابن عدی فی "الکامل" (۶۴/۶)، والخطیب فی" التاریخ" (۴۸۰/۱۲).

وهذا إسناد ضعیف .

(۲) سلام الطویل (متروک)، عن زید العمی (ضعیف)، عن معاویة عن قرة، عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کان رسول الله ﷺ إذا قضی صلاته مسح جبهته بیده الیمنی ثم یقول: فذکره.

أخرجه الطبرانی فی "الدعاء" (۶۵۹)، وأبو نعیم فی "الحلیة" (۳۰۲/۲).

وأخرجه أیضاً: ابن السنی فی "عمل الیوم واللیلة" (۱۱۳). بنفس الإسناد بلفظ: "أشهد أن لا إله إلا اللّٰه الرحمن الرحیم اللّٰهم اذهب عنی الهم والحزن". وهذا إسناد ضعیف جداً .

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن محدثین کی تصریح کی وجہ سے فضائل میں عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

(۹) یوم عرفہ یوم جمعہ کو واقع ہونے کی فضیلت: حدیث میں ہے:

أفضل الأیام یوم عرفة، إذا وافق یوم الجمعة فهو أفضل من سبعین حجة . یعنی دنوں میں افضل ترین دن یوم عرفہ ہے اور جب یوم عرفہ جمعہ کے دن واقع ہو تو ستر حج سے افضل ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن ثواب کی امید رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ملاحظہ ہو: وقال علی القاری فی رسالة "الحظ الاوفر

فی الحج الاکبر'' بعد ذکر حدیث أفضل الأیام یوم عرفة رواه رزین، اما ماذکره بعض المحدثین فی اسناد هذا الحدیث انه ضعیف فعلی تقدیر صحته لا یضر المقصود فان الحدیث الضعیف معتبر فی فضائل الاعمال عند جمیع العلماء من ارباب الکمال . انتهی. (الاجوبة الفاضلة ص ۳۷)۔ ہاں دیگر محدثین نے اس کو باطل کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد ۸)۔

(۱۰) فتاویٰ ہندیہ میں شبِ براءت میں زیارتِ قبور کو مستحب لکھا ہے، **وکذا فی اللیالی المتبرکة لا سیما لیلة براءة.** (۵/۳۵۰) حالانکہ اس میں جو روایت آئی ہے وہ حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ راجع: (سنن ابن ماجہ، رقم:۱۳۸۹ و سنن الترمذی، رقم:۷۳۹، ومسند احمد مع تعلیقات الشیخ شعیب الارنؤوط)۔

(۱۱) سورۂ یٰس کے پڑھنے کو بھی صاحبِ درمختار اور علامہ شامی نے لکھا ہے حالانکہ اس میں وارد حدیث بھی ضعیف ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار:۲/۲۴۲، سعید) روایت پر کلام اور اس کی تفصیل کے لیے فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد سابع (ص۷۴۴-۷۴۵، طبع بمبئی) کا مطالعہ مفید ہے۔

(۱۲) مقبرہ میں سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھنے کو فقہاء نے لکھا ہے حالانکہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ روایت کی تحقیق ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد اول، ص۵۳۹، طبع بمبئی)۔

(۱۳) شبِ جمعہ کی نمازِ مغرب میں قل یاایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد کو فقہاء نے مستحب لکھا ہے؛ **قال العلامة الشرنبلالی: ویستحب اقتداؤه بقراءة النبی صلی اللہ علیه وسلم... کان یقرأ فی صلاة المغرب لیلة الجمعة :**

قل یاأیها الکافرون وقل هو اللہ احد. (مراقی الفلاح، ص۱۳۴، دارالکتب العلمیة)، اور حدیث ضعیف ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد دوم، ص۲۶۰، طبع بمبئی)۔

بعض مکروہات جن کی کراہت احادیثِ ضعیفہ سے معلوم ہوتی ہے ان سے بچنا بھی مستحب ہوگا، مثلاً بیوع اور انکحہ یعنی بیع کی بعض قسمیں مکروہ ہیں، اور بعض نکاح مکروہ ہیں، ان سے اجتناب مستحب ہے، ان کی تفصیل کتبِ احادیث اور کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

إذا ورد حدیث ضعیف بکراهة بعض البیوع او الانکحة، فان المستحب أن یتنزه عنه ولکن لا یجب. (الاذکار، ص۸)

مکروہات میں سے مثلاً ماءِ مشمّس سے وضو کرنا مکروہ ہے ضعیف روایت کی وجہ سے لهذا اس سے بچنا بھی مستحب ہوگا۔

البحر الرائق میں ہے: **ویکره......وبالماء المشمس.** (البحر الرائق ۱/۳۰)

مغنی المحتاج میں ہے:

ویکره شرعا تنزیها الماء الشمس. (مغنی المحتاج ۱/۱۹)

شرح مهذب میں ہے:

قال المصنفؒ: ولایکره من ذلک الاما قصد الی تشمیسه فانه یکره الوضوء والدلیل علیه ما روی ان النبی ﷺ قال لعائشةؓ وقد سخنت ماء بالشمس یاحمیراء لاتفعلی هذا فانه یورث البرص.

الشرح: هذا الحدیث المذکور ضعیف باتفاق المحدثین وقد رواه

البیهقی من طرق وبین ضعفها کلها. (شرح المهذب ۱/۱۳۰)

حدیث ضعیف کا تلقی بالقبول کی وجہ سے قابل استدلال ہونا:

محدثین کے نزدیک جب کسی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو اور امت میں تعامل ہو جائے تو وہ حدیث قابلِ استدلال ہو جاتی ہے اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ ملاحظہ ہو: تدریب الراوی میں ہے:

قال بعضهم: یحکم للحدیث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم یکن اسناد صحیح.

قال ابن عبد البر فی الاستذکار لما حکی عن الترمذی أن البخاری صحح حدیث البحر " هو الطهور مائه " وأهل الحدیث لایصححون مثل إسناده لکن الحدیث عندی صحیح لأن العلماء تلقوه بالقبول .

وقال فی التمهید: روی جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم " الدینار أربعة وعشرون قیراطاً " قال: وفی قول جماعة العلماء وإجماع الناس علی معناه غنی عن الإسناد فیه .

وقال الاستاذ ابو اسحاق الاسفرائینی: تصرف صحة الحدیث اذا اشتهر عند ائمة الحدیث بغیر نکیر منهم، وقال نحوه ابن فورک ...... وقال ابو الحسن ابن الحصار فی تقریب المدارک علی

موطا مالک: قد یعلم الفقیه صحة الحدیث اذا لم یکن فی سنده کذاب بموافقة آیة من کتاب اللّٰه أو بعض أصول الشریعة، فیحمله ذلک علی قبوله والعمل به . (تدریب الراوی ۱/۶۷)

وقال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ فی الافصاح علی نکت ابن الصلاح : ومن جملة صفات القبول التی لم یتعرض لها شیخنا یعنی الحافظ العراقی ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول حدیث، فانه یقبل حتی یجب العمل به. وقد صرح بذلک جماعة من ائمة الاصول. (الاجوبة الفاضله ص ۲۳۱)

وقال محقق الحنفیة الامام الکمال بن الهمام فی فتح القدیر فی آخر الفصل الاول من فصول کتاب الطلاق عند قوله صلی اللہ علیہ وسلم طلاق الامة ثنتان وعدتها حیضتان الذی رواه ابوداود والترمذی وابن ماجه والدار قطنی عن عائشة رضی اللہ عنہا مرفوعاً، قال رحمه اللّٰه تعالی بعد ان ذکر عن بعضهم تضعیفه ثم رواه ومما یصحح الحدیث أیضاً عمل العلماء علی وقفه. و قال الترمذی عقیب روایته: حدیث غریب، والعمل علیه عند أهل العلم من أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وغیرهم. وفی "سنن الدار قطنی: ۲/۱/۴۴" . قال القاسم وسالم: عمل به المسلمون وقال مالک شهرة الحدیث بالمدینة تغنی عن صحة سنده. (الاجوبة ص ۲۳۲)

وقال العلامه السخاوی رحمہ اللہ: وکذا إذا تلقت الامة الضعیف بالقبول یعمل به علی الصحیح، حتی انه ینزل منزلة المتواتر فی انه ینسخ

المقطوع به، ولهذا قال الشافعیؒ في حديث لا وصية لوارث، انه لايثبته أهل الحديث، و لكن العامة تلقته بالقبول، وعملوا به حتى جعلوه ناسخاً لآية الوصية له. (فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث للعراقی ۱/۳۳۳)

قواعد فی علوم الحدیث میں ہے: **قد يحكم للحديث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم يكن له اسناد صحيح . قلت: والقبول يكون تارة بالقول و تارة بالعمل عليه ... بل الحديث اذا تلقته الامة بالقبول فهوعندنا فی معنی المتواتر.** (قواعد علوم الحدیث ص ٦٠)

الاجوبة الفاضله میں ہے:

اذا تلقت الامة الضعيف بالقبول يعمل به على الصحيح حتى انه ينزل منزلة المتواترفی انه ينسخ المقطوع به. (الاجوبة الفاضلة، ٥١)

وقال الشيخ إبراهيم الشبرخيتی المالكی فی شرح الاربعين النووی(ص ۳۹): **ومحل كونه لا يعمل بالضعيف فی الاحكام ما لم يكن تلقاه الناس بالقبول، فإن كان كذلک تعين وصار حجة يعمل به فی الأحكام وغيرها كما قال الشافعیؒ.** (الاجوبة الفاضلة ص۲۳۳)

النكت علی كتاب ابن الصلاح میں ہے :

فقد نقل بعض الحفاظ من المتاخرين عن جمع الشافعيه والحنفية والمالكية والحنابلة انهم يقطعون بصحة الحديث الذى تلقته الامة بالقبول. (النکت علی کتاب ابن الصلاح ۱/۳۸٤)

محققین حضرات کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث کو جب تلقی

بالقبول حاصل ہوجائے اور اسپر امت کا عمل ہوتو اس صورت میں وہ حدیث ضعیف نہیں رہے گی، بلکہ صحیح کے زمرہ میں شامل ہوجائیگی بلکہ حکماً وہ متواتر کے معنی میں ہوگی، لہذا احکام میں بھی معمول بہ ہوگی۔

چنانچہ فقہاء امت نے جن احادیث سے استدلال فرمایا اگر چہ بعد والے ان کو ضعیف کہتے ہیں لیکن ان کے نزدیک تعاملِ امت اور تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح تھیں۔

نیز امام ترمذیؒ اپنی سنن میں جا بجا فرماتے ہیں:" **وعليه عمل أهل العلم وغيرهم**" اگر چہ حدیث ضعیف ہوتی ہے، تو یہ بھی صحت کی دلیل ہے۔

جیسا کہ امام بیہقیؒ نے صلاۃ التسبیح والی حدیث کے بارے میں فرمایا: عبداللہ بن مبارکؒ پڑھتے تھے اور نیک لوگوں نے اس حدیث کو قبول فرمایا اور عمل میں لائے اور اس کی وجہ سے مرفوع حدیث کو تقویت پہونچتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال البيهقی: كان عبد اللّٰه بن المبارک يصليها، وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض، وفي ذلک تقوية للحديث المرفوع .

(قواعد فی علوم الحدیث ص٦٢)

المجتهد إذا استدل بحديث كان تصحيحاً له. (قواعد فی علوم الحدیث ،ص ٥٧) مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو اس کے نزدیک صحتِ حدیث کی علامت ہے۔

إن الحديث اعتضد بقول أهل العلم، وقد صرح غير واحد بأن من دليل صحة الحديث قول أهل العلم به وإن لم يكن له إسناد يعتمد على مثله . (قواعد ، ص٦٢)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ابن القطانؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

کسی ضعیف حدیث کے مطابق جب اجماع منعقد ہو جائے تو آیا وہ حدیث ضعف سے نکل کر درجہ صحت میں داخل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ محدثین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ وہ علی حالہ باقی رہتی ہے...اور بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ حدیث کو جب عملِ فقہاء یا عملِ امت کے ذریعہ قوت حاصل ہو جائے تو وہ ضعف کی حد سے نکل کر صحت اور قبول کی حد میں داخل ہو جاتی ہے۔

حضرت علامہؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہی رائے قرین قیاس اور مضبوط ہے اگر چہ یہ بات صرف اسناد سے دلچسپی رکھنے والوں کو شاق گزرے کیوں کہ واقع اور نفس الامر کا اعتبار کرنا نرے قواعد کے پیچھے دوڑنے سے بہتر ہے، قواعد تو صرف ان احادیث کی تحقیقِ حال کے لیے وضع کیے گئے ہیں جن کی پوزیشن واضح نہ ہو، یعنی جب حدیث کے موافق امت کا عمل پایا گیا تو یہ صریح دلیل ہے کہ یہ حدیث ثابت اور مبنی بر اصل ہے پھر اس کے اثبات کی کوشش کرنا اور قواعد پر جانچنا ایک امر لا حاصل ہے۔
(فیض الباری: ۳/۴۰۹، بحوالہ حدیث وفہم حدیث، ص ۳۵۰)۔

محدثین وفقہاء کی عبارات سے ضعیف حدیث کے بارے میں چند امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) ضعیف حدیث فضائل، قصص، ترغیب وترہیب میں معتبر ہے۔

(۲) ضعیف حدیث سے استحباب اور اولویت کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۳) ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے اس باب میں دوسری نص موجود نہ ہونے

کے وقت۔

(۴) ضعیف حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو احکام میں بھی اس کا اعتبار ہوگا۔

(۵) ضعیف حدیث کے ذریعہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔

(۶) مجتہدین جب کسی ضعیف حدیث سے استدلال کریں تو یہ اس کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔

(۷) احکام میں جب احتیاط کا پہلو ہو تو ضعیف روایت سے استدلال درست ہے۔

(۸) طرق کے تعدد سے حسن ہو کر قابل استدلال ہوگی۔

(۹) سند ضعیف ہونے سے متن ضعیف نہیں ہوتا۔

(۱۰) دو نصوص کے درمیان حدیث ضعیف سے ترجیح حاصل ہوگی۔

(۱۱) ضعف اگر فسق راوی اور کذب کی وجہ سے ہو تو اس کی تلافی نہ ہوگی۔

(۱۲) عقائد کے باب میں احادیثِ ضعیفہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۳) عصمتِ انبیاء اجماعی مسئلہ ہے، لہذا کسی نبی کی شان کے خلاف حدیث ضعیف کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۴) صحابہ کرام کی شان کے خلاف احادیثِ ضعیفہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۵) بدعات اور خرافات کی ترویج میں احادیثِ ضعیفہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے خلاف احادیثِ ضعیفہ کا حکم:

احادیثِ ضعیفہ جو عصمتِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے منافی ہیں نہ ان کا قبول کرنا جائز ہے اور نہ ان کو واقعات میں بیان کرنا جائز ہے۔

چند مثالیں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) غرانیق والا قصہ: اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے امام رازیؒ نے فرمایا ظاہری رائے رکھنے والے مفسرین کی یہ روایت ہے البتہ محققین نے فرمایا یہ روایت باطل اور موضوع ہے پھر قرآن اور احادیث سے دلائل پیش فرمائے ہیں:

هذه رواية عامة المفسرين الظاهرين أما أهل التحقيق فقد قالوا هذه الرواية باطلة موضوعة واحتجوا عليه بالقرآن و السنة و المعقول.

أما القرآن فوجوه: أحدها: قوله تعالى: (ولوتقول علينا بعض الأقاويل لأخذنا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين) [الحاقة ۴۶] وثانيها: قوله تعالىٰ (قل ما يكون لى أن أبدله من تلقاء نفسى إن أتبع إلا ما يوحى إلى) [يونس ۱۵] و ثالثها: قوله تعالىٰ (وما ينطق عن الهوى إن هو إلا وحى

يوحى) [النجم ۳] فلو أنه قرأ عقيب هذه الآية تلك الغرانيق العلى لكان قد ظهر كذب اللّٰه تعالى فى الحال و ذلک لا يقوله مسلم. ورابعها: قوله تعالى(وإن كادوا ليفتنونك عن الذى أوحينا إليک لتفترى علينا غيره وإذا لاتخذوک خليلا) [الاسراء ۷۳] وكلمة كاد عند بعضهم معناه قرب أن يكون الأمر كذلک مع انه لم يحصل. و خامسها: قوله (ولو لا أن ثبتناک لقد كدت تركن إليهم شيئاً قليلا) [الاسراء ۷۴] و كلمة لو لا تفيد انتفاء الشىء لانتفاء غيره فدل على ان ذلک الركون القليل لم يحصل. و سادسها: قوله (كذلک لنثبت به فؤادک) [الفرقان ۳۲] و سابعها: قوله (سنقرئک فلا تنسى) [الاعلى:٦].

و أما السنة فهى ما روى عن محمد بن اسحاق بن خزيمة انه سئل عن هذه القصة فقال هذا وضع من الزنادقة و صنف فيه كتابا. و قال الإمام أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقى: هذه القصة غير ثابتة من جهة النقل ثم أخذ يتكلم فى ان رواة هذه القصة مطعون فيهم، وأيضاً فقد روى البخارى فى صحيحه أن النبى عليه السلام قرأ سورة النجم و سجد فيها المسلمون و المشركون و الانس و الجن و ليس فيه حديث الغرانيق. و روى هذا الحديث من طرق كثيرة و ليس فيها البتة حديث الغرانيق.

وأما المعقول فمن وجوه: أحدها: أن من جوز على الرسول ﷺ تعظيم الاوثان فقد كفر لأن من المعلوم بالضرورة أن أعظم سعيه

کان فی نفی الأوثان . الخ. (التفسیرالکبیر۲۳/ ٤٤)

قال القاضی ابو السعود :

فلما بلغ " ومناة الثالثة الأخری" وسوس إلیه الشیطان. وهو مردود عند المحققین . (تفسیر ابی السعود:٤/ ۳۸۹)

قاضی ابوالسعودؒ نے فرمایا: غرانیق والا قصہ محققین کے نزدیک مردود ہے۔

روح المعانی میں ہے:

وفی البحران هذه القصة سئل عنها الامام محمد بن اسحاق جامع السیرة النبویة فقال: هذا من وضع الزنادقة وصنف فی ذلک کتابا، و ذکر الشیخ ابومنصورالماتریدی فی کتاب قصص الاتقیاء الصواب ان قوله : تلک الغرانیق العلا من جملة ایحاء الشیطان الی اولیائه من الزنادقة حتی یلقوا بین الضعفاء وارقاء الدین لیرتابوا فی صحة الدین وحضرة الرسالة بریئة من مثل هذه الروایة. (روح المعانی۱۷/ ۱۷۷)

علامہ آلوسی بغدادیؒ ذکرفرماتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے اس قصہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ زندیقوں کا بنایا ہوا ہے اور ایک کتاب اس کے بارے میں تصنیف فرمائی ہے، اور شیخ ابو منصور ماتریدیؒ نے فرمایا کہ شیطان نے اپنے دوستوں کو القا کیا تاکہ وہ کمزوروں کو بتلادیں پھر دین میں شکوک وشبہات پیدا کریں اور دین میں شک ڈالیں نیز اس جیسی روایات سے منصبِ نبوت میں شکوک پیدا کریں۔

پھر علامہ آلوسیؒ نے اس قصہ کی تردید میں دلائل بیان فرمائے ہیں کہ اس کو صحیح

کہنے سے صحتِ دین اور منصبِ نبوت پرزد پڑتی ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روح المعانی (۱۷/ ۷۷)

(۲) وتخفی فی نفسک ماالله مبدیه وتخشی الناس. کی تفسیر میں مفسرین نے جوروایتیں نقل کی ہیں مثلا: **أنه ﷺ لما رآها عجبته ووقع فی قلبه حبها وأحب طلاق زید لها .**

یہ روایت اور اس جیسی روایات قبول کرنے سے شان نبوی پرزد پڑتی ہے لہذا محققین نے تصریح کی ہے کہ یہ روایات قابل قبول نہیں۔

ملاحظہ ہو:تفسیر ابن کثیر میں ہے:

ذکر ابن ابی حاتم وابن جریرههنا آثاراً عن بعض السلف أحببنا أن نضرب عنها صفحاً لعدم صحتها فلا نوردها. (تفسیرابن کثیر۳/ ٥٤٠)

محقق ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس مقام پر ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بعض سلفؒ سے بہت سارے آثار نقل فرمائے ہیں ہم اس سے پہلو تہی اختیار کرنا پسند کرتے ہیں اس کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے، لہذا بیان نہیں کرتے۔

یعنی اس قصہ کے متعلق بہت ساری روایات ہیں لیکن صحیح نہیں ہیں لہذا ذکر نہیں فرمائیں۔ علامہ آلوسیؒ اس قسم کی روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وفی شرح المواقف: أن هذه القصة مما یجب صیانة النبی ﷺ عن مثله .

شرح مواقف میں ہے کہ اس جیسے قصہ سے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس بابرکت کو بچانا لازم ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے اور خودکشی کرنے کا ارادہ کرنے والا واقعہ صحیح نہیں ہے۔خودکشی اسلام میں جرم عظیم ہے۔

ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ وحی میں تاخیر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا ارادہ کیا تھا،لیکن جبرئیل امین نے آ کر روکا تھا، یہ واقعہ دو حضرات صحابہ؛ ا۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے۔اور ۲۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، یہ سنداً صحیح ہے البتہ نفس واقعہ میں امام زہری کی طرف سے ادراج ہے۔اور بلاغاتِ زہری مقبول نہیں ہیں۔

بالفرض والتقدیر اگر روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو دونوں روایات کے مابین تعارض واقع ہونے کی وجہ سے ممانعت والی روایات کو ترجیح ہوگی۔اور تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ **تردی من الجبل** ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے جو منسوخ ہے۔لہذا اس سے خودکشی کے جواز پر استدلال غیر تام ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ممانعت والی روایات اصح ہیں اور اس پر عمل درآمد ہے اور **تردی من الجبل** کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے انتظار اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ملاقات کے شوق میں پہاڑ پر تشریف لے جاتے کہ بلند مقام سے جلدی نظر آ جائے،تو یہ اُترنا اور چڑھنا اور بار بار اوپر دیکھنا گویا اپنے آپ کو گرانے کے مشابہ تھا، جیسے چھت سے چھلانگ لگانے والے کو یہ کہا جائے کہ آپ اپنے کو موت کے منہ میں ڈالتے ہو! تو کبھی حرا اور کبھی ثبیر پر چڑھنا بھی ایسا ہی تھا۔ روایات کی تحقیق ذیل میں ملاحظہ ہو:

ا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی تحقیق: **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن**

رسول الله صلى الله عليه وسلم لما نزل عليه الوحى بحراء مكث أياماً لايرى جبريل فحزن حزناً شديداً حتى كان يغدو إلى ثبير مرة وإلى حراء مرة يريد أن يلقى نفسه منه...الخ. (الطبقات الكبرى لابن سعد: ١/ ١٩٦، ط: دارصادر، بيروت).

قلت: إسناده ضعيف؛ فيه : محمد بن عمر الواقدى وهو متهم بالكذب، لكن يعتبر به في التاريخ والسير، فالحديث ضعيف وليس بموضوع. وإبراهيم بن محمد بن أبي يحيى الأسلمي أبو إسحاق المدني، كذبه جماعة . للمزيد راجع: سلسلة الضعيفة (٣/ ١٦٠/ ١٠٥٢).

طبقات ابن سعد کے مقدمہ میں مرقوم ہے:

ويتبين لنا من هذا العرض أن في رواة ابن سعد ثلاثة على الأقل يضعفهم أهل الحديث...ثم الواقدى نفسه فقد اتهموه بأنه أغرب على الرسول بعشرين ألف حديث وأنه كان يروى المناكير . (مقدمة الطبقات الكبرى: ١/ ١/ ١).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ضعیف ہے اور صحیح روایات کے مقابلہ میں غیر معتبر ہے۔

۲ ـــ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ملاحظہ ہو: **عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: أول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصادقة في النوم ... وفتر الوحي فترة حتى**

حزن النبي صلى الله عليه وسلم فيما بلغنا حزناً غدا منه مراراً كي يتردى من رؤوس شواهق الجبال فكلما أوفى بذروة جبل لكي يلقى نفسه منه تبدى له جبريل . (صحيح البخاري ،رقم: ٦٩٨٢، كتاب التعبير).

یہ روایت صحیح بخاری شریف میں تین مقامات پر ہیں؛ ١۔کتاب بدء الوحی ،٢۔ کتاب التفسیر،٣۔اِس جگہ کتاب التعبیر میں۔اِن تینوں مقامات میں سے صرف اِسی جگہ **یتردی من الجبل** والا واقعہ مذکور ہے،لیکن محدثین نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس کی سند میں امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہیں اور **فیما بلغنا** سے مدرج کلام ہے اور بلاغات الزہری محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہیں۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: **والذي عندي أن هذه الزيادة خاصة برواية معمر...ثم إن القائل: فيما بلغنا هو الزهري ومعنى الكلام أن في جملة ما وصل إلينا من خبر رسول الله صلى الله عليه وسلم في هذه القصة وهو من بلاغات الزهري وليس موصولاً وقال الكرماني: هذا هو الظاهر...فصار كله مدرجاً على رواية الزهري .** (فتح الباري :١٢/ ٣٦٠).

قال الشيخ شعيب : إسناده صحيح على شرط الشيخين دون قوله حتى حزن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما بلغنا حزناً فهو من بلاغات الزهري وهي واهية. (التعليقات على مسند الإمام أحمد:٤٣/ ١١٤).

وكذا قال في تعليقاته على سير اعلام النبلاء (٢/ ١١٥،ط: مؤسسة الرسالة).

خلاصہ یہ ہے کہ معمر عن الزہری کے تمام طرق میں اس روایت کو **فیما بلغنا** سے

نقل کیا ہے سوائے ایک طریق کے،جس کو ابن مرویہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن کثیر ضعیف راوی ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (فتح الباری : ١٢/ ٣٦٠،وسیر اعلام النبلاء:٥/ ٣٣٨، مؤسسۃ الرسالۃ)۔

یہ روایت مسلم شریف میں تین مقامات پر مذکور ہے لیکن کہیں **تردی من الجبل** والا قصہ مذکور نہیں۔

راجع: صحیح مسلم۔ (رقم:٤٢٢،٤٢٣،٤٢٤)۔

" **السيرة النبوية** "،میں شیخ ابوشہبہ لکھتے ہیں:

وهذه الرواية ليست على شرط الصحيح لأنها من البلاغات ، وهي من قبيل المنقطع والمنقطع من أنواع الضعيف، والبخاريؒ لا يخرج إلا الأحاديث المسندة المتصلة برواية العدول الضابطين ولعل البخاريؒ ذكرها لينبهنا إلى مخالفتها لما صح عنده من حديث بدء الوحي الذي لم تذكر فيه هذه الزيادة ، ولو أن هذه الرواية كانت صحيحة لأولناها تأويلاً مقبولاً ، أما وهي على هذه الحالة فلا نكلف أنفسنا عناء البحث عن مخرج لها ...

پھر آگے **تردی من الجبل** کی توجیہ بیان کرتے ہیں:

والتعليل الصحيح لكثرة غشيانه صلى الله عليه وسلم في مدة الفترة رؤوس الجبال وشواهقها أن الإنسان إذا حصل له خير أو نعمة في مكان ما فإنه يحب هذا المكان ، و يتلمس فيه ما افتقده ، فلما

انقطع الوحي صارصلی اللّٰہ علیه وسلم یکثر من ارتیاد قمم الجبال، ولاسیما حراء، رجاء أنه لم یجد جبریل في حراء فلیجده في غیره، فرآه راوی هذه الزیادة وهو یرتاد الجبال ، فظن أنه یرید هذا، و قد أخطأ الراوی المجهول في ظنه قطعاً ... الخ . (السیرة النبویة: ۱/۲۶۵. ۲۶۶، ط:دارالقلم، دمشق).

شیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی تردی من الجبل کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد عرضت لأخی الشیخ عبید اللّٰہ أمین کردی سانحة حول مسألة التردی ، أحببت أن أثبتها هنا :

فقال: إن التردی المذکور في سیاق الآثار الواردة في فترات انقطاع الوحي ، و تأخر ظهور جبریل علیه السلام للنبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، لیس المقصود منه أنه محاولة انتحار منه صلی اللّٰہ علیه وسلم ولکن المقصود تصویر حال الرسول صلی اللّٰہ علیه وسلم النفسیة والحرکیة ، حیث کان یذهب إلی رؤوس الجبال یتطلع لرؤیة جبریل علیه السلام الذي أبطأ عنه ، ویتشوف إلی عودة الوحي، الذی استأنس به، وتعلق به روحیاً، وهو صلی اللّٰہ علیه وسلم إنما یبحث عن ذلک في رؤوس الجبال؛ لأن لقائه الأول مع جبریل کان علی جبل حراء ، فمن الطبیعي أن یبحث عنه بعد ذلک فی الذرا لا فی السفوح ، فالتردی لیس مقصوداً ، ولکنه تصویر لحاله صلی اللّٰہ علیه وسلم أثناء البحث ، حیث إن الإنسان إذا کان یسیر علی قمة جبلیة وعرة ، غیر

مستویة السطح، فیجب علیه أن یلاحظ مواطن قدمیه ، وممشاه لیضبط توازنه ، فإذا انصرف بصره متقلباً بین السماء ودائرة الأفق متشوقاً متعطشاً لرؤیة شيء ما یرتقبه ، فإنه سیتعذر علیه ملاحظة مواطن قدمیه ، وممشاه ، وبالتالی سیفقد توازنه وهذا الأمر یمکن أن یؤدیه إلی التردی، أوالسقوط القسری، لا الاختیاری. (سیدنا محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الأسوة الحسنة، للشیخ الصاغرجی: ۱/۱۵۸، الباب الثانی: الفصل الأول: فترة بعثته صلی اللّٰہ علیه وسلم،ط:دارالکلم الطیب،دمشق).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں مفسرین حضرات نے جو روایات نقل فرمائی ہیں، وہ بھی عصمتِ نبی کے خلاف ہیں اور سمجھ سے بعید ہیں، ایسی روایات کا قبول کرنا بھی جائز نہیں اور نہ ان کو بیان کرنا چاہئے۔ اس بارے میں علماء کی آراء حسب ذیل درج ہیں۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں: یہ قصہ باطل ہے اور اس کے بطلان پر چند دلیلیں پیش فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

والذی ادین به واذهب الیه ان ذلک باطل ویدل علیه وجوه (الاول) ان هذه الحکایة لونسبت الی افسق الناس واشدهم فجورا لاستنکف منها. اذاکان الامر کذلک فکیف یلیق بالعاقل نسبة المعصوم الیه (الثانی) ان حاصل القصة یرجع الی امرین الی السعی فی قتل رجل مسلم بغیرحق والی الطمع فی زوجته.الخ (اماالاول) فامر

منكر قال ﷺ من سعى في دم مسلم ولو بشطر كلمة جاء يوم القيامة مكتوبا بين عينيه آيس من رحمة الله (واماالثانی) فمنكر عظيم قال صلى الله ﷺ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده ، وان اوريا لم يسلم من داود لا فى روحه ولا فى منكوحه (والثالث) ان الله تعالىٰ وصف داؤد عليه السلام قبل ذكرهذه القصة بالصفات العشرة المذكورة، ووصفه ايضا بصفات كثيرة بعد ذكرهذه القصة، وكل هذه الصفات تنافى كونه عليه السلام موصوفا بهذا الفعل المنكروالعمل القبيح. (تفسیرالفخرالرازی۱۳/۱۸۹)

قاضی ابوسعود فرماتے ہیں کہ یہ قصہ صریح افترا اور مکروفریب ہے اور ایسا برا ہے کہ کانوں کوسننا گوارانہیں اور طبیعتوں کواس سے نفرت ہے۔ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس نے ایسا قصہ گھڑا اور پھیلایا، بہت ہی ہلاکت ہے، اور اسی وجہ سے حضرت علی ؓ نے فرمایا: جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ بیان کرے تو اس کو میں ۱۶۰ کوڑے مارونگا اور یہی حد ہے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر تہمت لگانے والے کی۔ ملاحظہ ہو:

فإفك مبتدع مكروه مخترع بئسما مكروه تمجه الأسماع وتنفر عنه الطباع ويل لمن ابتدعه وأشاعه وتباً لمن اخترعه وأذاعه، ولذلك قال علي ؓ من حدث بحديث داؤد عليه السلام على ما يرويه القصاص جلدته مائة وستين وذلك حد الفرية على الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم. (تفسیر ابی السعود:۵/۳۵۸)

محقق ابن کثیر نے فرمایا:

اس مقام پر مفسرین نے قصہ بیان کیا ہے اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور نبی معصوم سے ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں جسکا اتباع واجب ہو لیکن پھر بھی ابن ابی حاتم نے اس مقام پر ایک روایت نقل کی ہے اس کی سند صحیح نہیں اس لئے کہ وہ روایت یزید رقاشی سے ہے اور یزید رقاشی اگرچہ نیک لوگوں میں سے ہیں لیکن حدیث کے معاملہ میں محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، لہذا بہتر یہ ہے کہ ایسے قصوں سے اجتناب کریں۔

ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر میں ہے:

قد ذكر المفسرون هاهنا قصة اكثرها ماخوذ من الاسرائيليات ولم يثبت فيها عن المعصوم حديث يجب اتباعه ولكن روى ابن ابى حاتم هنا حديثاً لايصح سنده لأنه من رواية يزيد الرقاشي عن أنس ؓ ويزيد وان كان من الصالحين لكنه ضعيف الحديث عند الائمة فالأولى أن يقتصر على مجرد تلاوة هذه القصة وأن يرد علمها إلى الله عزوجل فإن القرآن حق وما تضمن فهو حق أيضاً. (تفسیرابن کثیر۴/۳۳)

(۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بھی مفسرین نے چند روایات و حکایات ذکر فرمائی ہیں وہ بھی عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے منافی ہیں، لہذا اس سے بھی اجتناب ضروری ہوگا، چنانچہ محققین حضرات نے اس کورد فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام رازیؒ فرماتے ہیں: عصمتِ انبیاء علیہم السلام پر بہت دلائل قائم ہیں اور قوی ہیں جب کہ ان حکایات اور اخبار آحاد کی صحت پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں اور خبر واحد قوی دلائل کا مقابلہ نہیں کرسکتی، لہذا اسکی طرف التفات بھی نہیں کیا جائے گا۔

قال الامام فخر الدين الرازیؒ:

وجوابنا ان الدلالة الكثيرة قامت على عصمة الانبياء عليهم السلام و لم يدل دليل على صحة هذه الحكايات،ورواية الآحاد لاتصلح معارضة للدلائل القوية،فكيف الحكايات عن اقوام لايبالى بهم ولا يلتفت الى اقوالهم،والله اعلم. (التفسيرالكبير١٣/٢٠٧)

نیز مذکور ہے:

واعلم أن أهل التحقيق استبعدوا هذا الكلام من وجوه(الاول)ان الشيطان لوقدرعلى ان يتشبه بالصورة والخلقة بالانبياء،فحينئذ لايبقى اعتماد على شيء من الشرائع،فلعل هؤلاء الذين رآهم الناس فى صورة محمد وعيسى وموسى عليهم السلام ماكانوا اولئک بل كانوا شياطين تشبهوا بهم فى الصورة لاجل الاغواء والاضلال، ومعلوم ان ذلک يبطل الدين بالكلية (الثانى)ان الشيطان لوقدرعلى ان يعامل نبى الله سليمان بمثل هذه المعاملة لوجب ان يقدرعلى مثلها مع جميع العلماء والزهاد، وحينئذ وجب ان يقتلهم وان يمزق تصانيفهم ان يخرب ديارهم ، ولما بطل ذلک فى حق آحاد العلماء فلأن يبطل مثله فى حق أكابرالعلماء اولى (والثالث) كيف يليق بحكمة الله واحسانه ان يسلط الشيطان على ازواج سليمان؟ ولاشک انه قبيح (الرابع) لو قلنا ان سليمان اذن لتلک المراة فى عبادة تلک الصورة فهذا كفر منه، و ان لم يأذن فيه البتة فالذنب على تلک المرأة ، فكيف يؤاخذ الله سليمان بفعل لم يصدر ؟ (التفسيرالكبير١٣/٢٠٨)

(۲)ہاروت وماروت کا قصہ مفسرین نے نقل کیا ہے وہ بھی سمجھ سے بعید ہے اس وجہ سے کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں اور اُن سے گناہ سرزد نہیں ہوتے ہیں،قرآن میں ﴿لايعصون الله ما امرهم ويفعلون مايؤمرون﴾ آیا ہے اوراس قصہ کو تسلیم کرنے میں ان کی طرف قتل،شرب خمر،سجود للصنم ، یہ تمام کبائر منسوب کرنا ہے جو درست نہیں ہے، لہذا قوی دلائل کا اعتبار ہوگا ،اورضعیف روایات اور اسرائیلیات کا اعتبار نہیں ہوگا،ان کو قبول کرنا درست نہیں۔ملاحظہ ہو:

محقق ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس قصہ کا مدار اسرائیلیات پر ہے،نہ اس میں کوئی مرفوع صحیح حدیث ہے اور نہ نبی معصوم ﷺ سے کچھ ثابت ہے،اگرچہ مفسرین حضرات نے آثار نقل کئے ہیں،لیکن ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جتنا قرآن نے اجمالاً بیان کیا ہے۔

قال ابن كثيرؒ: فدار الحديث ورجع الى نقل كعب الاحبار عن كتب بنى اسرائيل ... وقال أيضاً: وقد روى فى قصة هاروت وماروت عن جماعة من التابعين كمجاهد والسدى والحسن البصرى وقتادة وابى العالية والزهرى و الربيع بن انس ومقاتل بن حيان وغيرهم.وقصها خلق من المفسرين من المتقدمين والمتأخرين .وحاصلها راجع فى تفصيلها الى اخبار بنى اسرائيل اذ ليس فيها حديث مرفوع صحيح متصل الاسناد الى الصادق المصدوق المعصوم الذى لا ينطق عن الهوى، وظاهر سياق القرآن اجمال القصة من غيربسط ولااطناب فنحن نؤمن بما ورد فى القرآن ما اراده الله تعالى، والله اعلم بحقيقة الحال. (تفسيرابن كثير١/١٥١)

علامہ آلوسیؒ نے بھی اس قصہ کو رد کیا اور فرمایا کہ اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو: **واما ما روی ان الملائکة...إلی غیر ذلک من الآثار التی بلغت طرقها نیفا وعشرین، فقد انکره جماعة منهم القاضی عیاض، وذکر ان ما ذکره اهل الاخبار، ونقله المفسرون فی قصة هاروت وماروت لم یرد منه شیء لا سقیم ولا صحیح عن رسول الله ﷺ ولیس هو شیئاً یؤخذ بالقیاس وذکر فی البحر أن جمیع ذلک لایصح منه شیء، ولم یصح ان رسول الله ﷺ کان یلعن الزهرة... ونص الشهاب العراقی علی ان من اعتقد فی هاروت وماروت انهما ملکان یعذبان علی خطیئتهما مع الزهرة فهو کافر بالله تعالی العظیم، فان الملائکة معصومون ...... و الزهرة کانت یوم خلق الله السموت والأرض.** (روح المعانی ۱/۳٤۱)

امام رازیؒ نے اس قصہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ باطل موضوع اور مردود ہے، مقبول نہیں۔ ملاحظہ ہو: **واعلم ان هذه الروایة فاسدة مردودة غیرمقبولة لانه لیس فی کتاب الله ما یدل علی ذلک بل فیه ما یبطلها من وجوه،الاول:ما تقدم من الدلائل الدالة علی عصمة الملائکة عن کل المعاصی الخ.** (تفسیر کبیر۲/۲۳۷)

یہ چند مثالیں ہیں جو عصمتِ انبیاء علیہم السلام وعصمتِ ملائکہ کے منافی ہیں، بہت سارے مفسرین نے ذکر فرمایا ہے، لیکن محققین حضرات نے رد فرمایا، پس ایسی روایات قابل قبول نہیں، بلکہ اس کے مقابلہ میں اصولِ کلیہ شرعیہ کو ترجیح ہوگی۔ **واللہ اعلم.**

صحابہ کرام کی شان کے خلاف احادیث ضعیفہ کا حکم:

جو احادیث حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کے خلاف ہوں، اُن کا بھی اعتبار نہ ہوگا اور صحیح روایات جو صحابہ کرام کے مناقب وفضائل میں وارد ہوئی ہیں اُن کا اعتبار ہوگا، اور اس کے خلاف روایت کی یا تو مناسب تاویل کی جائیگی یا گر ضعیف ہے تو ضعف کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہ ہوگی، اس قسم کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

(۱) طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جونیہ عورت نے جو **أعوذ بالله منک** کہا تھا، وہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے اُکسانے کی وجہ سے کہا تھا۔ ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد میں ہے:

أخبرنا هشام بن محمد ، حدثنی ابن الغسیل عن حمزة بن أبي أسید الساعدی عن أبیه وکان بدریاً قال: تزوج رسول الله ﷺ أسماء بنت النعمان الجونیة فأرسلني فجئت بها فقالت حفصة لعائشة أو عائشة لحفصة ، اخضبیها أنت وأنا أمشطها ففعلن ثم قالت لها إحداهما: إن النبی ﷺ یعجبه من المراة إذا دخلت علیه أن تقول: أعوذ بالله منک الخ . وفي روایة له فلما رآها نساء النبي ﷺ حسدنها فقلن لها : إن أردت أن تحظی عنده فتعوذی بالله منه إذا

دخل عليك . الخ . (طبقات ابن سعد ۸/ ۱۴۵)

لیکن یہ روایت صحیح نہیں اس لئے کہ ان دونوں روایتوں میں **هشـــام بـــن محمد بن السائب الكلبي** ہے اور یہ متروک رافضی ہے لہذا یہ حدیث قابل قبول نہیں خصوصاً جب کہ کوئی رافضی، شیعہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے خلاف کوئی روایت نقل کرے تو ہرگز قابل قبول نہیں، کیونکہ شیعہ حضرت عائشہؓ کی عفت و پاکدامنی میں زبان درازی کرتے ہیں۔ **(نعوذ بالله من ذلک)**

قال الذهبي: هشام بن محمد بن السائب الكلبي قال الدارقطني وغيره ،متروك وقال ابن عساكر رافضي ليس بثقة. (ميزان الاعتدال ۵/ ۴۳۰، و لسان الميزان ۳/ ۳۳۸)

(۲) روایت میں آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ ؓ کے متعلق فرمایا: **" لا أشبع الله بطنه "** ملاحظہ ہو: مسلم شریف میں ہے:

حدثنا محمد بن المثنى العنزى وابن بشار وقال: واللفظ لابن المثنى قالا نا امية بن خالد نا شعبه عن ابى حمزة القصاب عن ابن عباس ؓ قال: كنت العب مع الصبيان فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فتواريت خلف باب قال فجاء فحطاني حطاة فقال: اذهب ادع لي معاوية قال: فجئت وقلت هو يأكل قال ثم قال لى اذهب فادع لى معاوية قال: فجئت فقلت: هو يأكل فقال: " لا أشبع الله بطنه ". (رواه مسلم ۲/ ۳۲۵)

یہ روایت درج ذیل چند وجوہات کی بنا پر سمجھ میں نہیں آتی:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو بلایا اور وہ چھپ گئے یہ بات بہت بعید ہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو سعادت سمجھتے تھے اس کے باوجود وہ چھپ جائیں، نیز وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر حضرت میمونہؓ کی نوبت میں پوری رات جاگنے کا اہتمام فرماتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات والے اعمال دیکھنے کے لئے۔

۲۔ روایت میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابن عباس ؓ نے حضرت معاویہ ؓ کو بلایا اور انھوں نے انکار کیا، ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے انکو کھاتے ہوئے دیکھا تو واپس چلے آئے۔

۳۔ اس روایت میں ایک راوی ابوحمزہ القصاب پر کلام ہے اگرچہ بعض حضرات نے توثیق کی ہے، مگر دوسرے بعض نے جرح بھی کی ہے، مثلاً حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا:
صدوق له اوهام. (تقريب التهذيب ص ۲۶۵)

تحریر تقریب التہذیب میں ہے:

بل: ضعيف يعتبر به، فقد ضعفه ابوزرعة الرازى، وابوحاتم، والنسائى، وابوداؤد، والعقيلى، ووثقه ابن معين، وذكر ابن خلفون ان ابن نمير وثقه ايضاً، وذكره ابن حبان فى الثقات. (تحرير تقريب التهذيب ۳/ ۱۱۵/ ۵۱۶۳)

ابوزرعہ نے فرمایا: **لين.**

ابوحاتم ونسائی نے فرمایا: **ليس بقوى.**

ابوداود نے فرمایا: **ليس بذاك وهو ضعيف.** (تهذيب الكمال ۲۲/ ۳۴۳)

اگرچہ مختلف فیہ راوی کی روایت حسن ہوتی ہے لیکن اس جگہ دوسری چند وجوہات کی بنا پر درست معلوم نہیں ہوتی۔

۴۔دوسری روایت میں یہ الفاظ ’’لا أشبع اللّٰہ بطنہ‘‘ موجود نہیں۔ملاحظہ ہو:

قال ابوالحجاج یوسف المزی :اخبرنا ابوالفرج بن قدامۃ......عن ابی حمزۃ قال : سمعت ابن عباس ﷛ یقول:...ثم بعثنی إلی معاویۃ ﷛ فرجعت إلیہ فقلت: ھو یاکل . انتھی . (تھذیب الکمال ۲۲/۳۴۵)

اس روایت میں دوبارہ بھیجنے کا ذکر نہیں اور ان الفاظ کا بھی ذکر نہیں معلوم ہوا کہ جب حضرت ابن عباس ﷛ نے خبر دی کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔واللہ اعلم۔

(۳) ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس ﷛ نے حضرت معاویہ ﷛ کو حمار کہا۔ شرح معانی الاثار میں ہے:

أن أبا غسان مالک بن یحییٰ الھمدانی حدثنا قال ثنا عبد الوھاب بن عطاء قال انا عمران بن حُدَیر عن عکرمۃ أنہ قال: کنت مع ابن عباس ﷛ عند معاویۃ ﷛ نتحدث حتی ذھب ھزیع من اللیل فقام معاویۃ ﷛ فرکع رکعۃ واحدۃ فقال ابن عباس ﷛ : من أین تری أخذھا الحمار . (شرح معانی الاثار ۱/ ۱۹۹)

یہ روایت ضعیف ہے اس وجہ سے کہ بخاری شریف کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷛ نے حضرت معاویہ ﷛ کو فقیہ فرمایا نیز طحاوی شریف کی دوسری روایت میں

حمار کا لفظ نہیں ہے بلکہ امام طحاویؒ نے صراحۃً کہا کہ حمار کا لفظ نہیں ہے۔

حدثنا أبوبکرۃ قال ثنا عثمان بن عمر قال ثنا عمران فذکر باسنادہ مثلہ إلا أنہ لم یقل الحمار . (شرح معانی الاثار ۱/ ۱۹۹)

نیز اس کی سند میں ایک راوی ابوغسان مالک بن یحیی پر کلام ہے چنانچہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: **فی حدیثہ نظر .**(میزان الاعتدال ۴/۳۴۹)

اور یحیی بن سعید القطان نے فرمایا: **لایعرف، وذکرہ العقیلی فی الضعفاء، وذکرہ ابن حبان ایضا فی الضعفاء، قال ابن حجر:منکر الحدیث جدا لایجوز الاحتجاج بہ .** (لسان المیزان ۵/۷)

وقال ابوحاتم: منکر الحدیث لایجوز الاحتجاج بہ اذا انفرد عن الثقات. (کتاب المجروحین ۳/۳۷)

نثر الاظہار میں ہے:

وشیخہ عبد الوھاب ایضاً متکلم فیہ راجع التھذیب (۶/۴۵۱) وان رکاکۃ متنھا تدل علی ضعفھا فان ما فیھا من البذاءۃ یستنکر من الاعراب فضلاً عن حبر الامۃ سیدنا ابن عباس ﷛ . (نثر الاظھار ۱/۵۵۷)

خلاصہ: یہ روایت ابوغسان کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے قابل قبول نہیں اس کے برخلاف بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو: **قال أوتر معاویۃ ﷛ بعد العشاء برکعۃ وعندہ مولی لابن عباس ﷛ فأتی ابن عباس ﷛ فقال: دعہ فإنہ قد صحب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم . وفی روایۃ لہ قیل لابن عباس ﷛ ھل لک فی أمیر المؤمنین معاویۃ ﷛ فإنہ ما أوتر إلا بواحدۃ**

قال : أصاب أنه فقيه . (رواهما البخاری ١/ ٥٣١)

ان دونوں روایتوں میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی، لہذا ان صحیح روایات کو ترجیح ہوگی، اور ضعیف پر اعتماد نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(۴) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت میں آتا ہے "**ولقد ضم ضمة اختلفت منها اضلاعه من اثر البول**" یعنی قبر میں اس طرح دبائے گئے کہ آپ کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس گئیں پیشاب کے اثر کی وجہ سے۔

طبقات ابن سعد میں ہے:

اخبرنا شبابة بن سوار قال: اخبرنی ابو معشر عن سعید المقبری قال لما دفن رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم سعدا قال: لو نجا أحد من ضغطة القبر لنجا سعد ، ولقد ضم ضمة اختلفت أضلاعه من أثر البول.

(طبقات ابن سعد ٣/ ٤٣٠)

قال الذهبي في السير: هذا منقطع ومع انقطاعه ضعيف لضعف ابی معشر .

وقال ایضاً فی المیزان: قال ابن معین: لیس بقوی، وقال ابن المدینی: شیخ ضعیف، وکان یحدث عن المقبری، ونافع باحادیث منکرة.

وقال النسائی والدار قطنی: ضعیف.

وقال البخاری وغیره: منکر الحدیث.

وقال علی کان یحیی بن سعید یستضعفه جدا ویضحک اذا

ذکره. (میزان الاعتدال ٥/ ٣٧١)

وقال ابن حجر ضعیف. (تقریب التهذیب ص٣٥٦)

وفی التهذیب: قال ابو داؤد: له احادیث مناکیر ، وقال نصر بن طریف ابو معشر اکذب من فی السماء ومن فی الارض، وقال الساجی: منکر الحدیث. (تهذیب التهذیب ١٠/ ٣٧٥)

وقال ابن الجوزی فی الموضوعات: طریق آخر: انبانا محمد بن ناصر ......عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال لما أخرجت جنازة سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ...... ورأیت اختلاف اضلاعه فی قبره ، هذا حدیث لایصح وآفته من القاسم قال احمد بن حنبل هو منکر الحدیث، وقال ابن حبان: کان یروی عن أصحاب رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم المعضلات. (الموضوعات: ٣/ ٢٣٣)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے، اس میں منکر راوی ہے، لہذا قابل اعتماد نہیں، پہلی سند میں ابو معشر پر سخت کلام ہے، اور انتہائی ضعیف راوی ہے، امام بخاری وغیرہ نے منکر کہا ہے، اور دوسری سند میں قاسم بن عبد الرحمٰن ہے، یہ بھی منکر ہے، لہذا یہ حدیث معتبر نہیں۔

ایک دوسری روایت بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

واخبرنا ابو عبد اللّٰه الحافظ قال حدثنا ابو العباس، قال حدثنا احمد قال : حدثنا یونس عن ابن اسحاق قال حدثنا امیة بن عبد اللّٰه انه سال بعض أهل سعد ما بلغکم من قول رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم فی هذا ؟

فقالوا : ذكر لنا أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم سئل عن ذلک فقال: كان يقصر فی بعض الطهور من البول. (رواه البيهقی فی دلائل النبوة٤/ ٣٠)

یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے اس میں چند رواۃ پر کلام ہے **(١) احمد بن عبد الجبار (٢) یونس بن بکیر (٣) ابن اسحاق.**

وفي حاشية شعب الإيمان للبيهقي: والأثر ضعيف لأجل أحمد بن عبد الجبار العطاردی، ثم يونس بن بكير وابن اسحاق كلاهما فيه كلام وهذه حكاية عن مجهول. (حاشية شعب الايمان٢/٣٢٦)

قال الذهبی: احمد بن عبد الجبار العطاردی،ضعفه غير واحد قال ابن عدی رايتهم مجمعين على ضعفه، وقال مطين: كان يكذب وقال ابوحاتم:ليس بقوی. (ميزان الاعتدال١/١١٢)

وقال ابن حجر:ضعيف. (تقريب التهذيب ص١٤)

خلاصہ یہ ہے کہ تین رواۃ پر کلام ہونے کی وجہ سے یہ انتہائی ضعیف ہے لہٰذا قابل اعتماد نہیں ۔ نیز اس قصہ کے بارے میں تیسری روایت ہے جو امام قرطبیؒ نے التذکرہ میں ذکر فرمائی ہے۔

وذكر هناد بن السری،حدثنا ابن فضيل عن ابی سفيان عن الحسن قال اصاب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جرحة فجعله النبی صلى الله عليه وسلم عند أمة تداويه فقال: إنه مات من الليلة فيكم رجل لقد اهتز العرش لحب لقاء اللّٰه إياه فإذا هو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فدخل رسول اللّٰه

صلی اللہ علیہ وسلم فی قبره قال انه ضم فی القبر ضمة حتى صارمثل الشعرة فدعوت اللّٰه تعالى ان يرفه عند وذلک انه كان لايستبرىء من البول. (التذكرة ص١٥٨)

یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

قال ابن الجوزی فی الموضوعات هذا حديث مقطوع فان الحسن لم يدرک سعدا وابوسفيان اسمه طريف بن شهاب الصفدی قال احمد بن حنبل ويحيى بن معين:ليس بشیء وقال النسائی متروک الحديث وقال ابن حبان: كان مغفلا يهم فی الاخبارحتى يقلبها وحوشی سعد ان يقصرفيما يجب عليه من الطهارة. (الموضوعات٣/٢٣٤)

وعلى هامش شعب الايمان للبيهقی:

وقد ذكر القرطبی هذا الاثرفی كتابه التذكرة ......(قلت) هذا باطل وهو مع كونه منقطعا من رواية ابی سفيان وهوطريف بن شهاب. وقيل ابن سعد. وقيل ابن سفيان السعدی الامثل، وهو مجمع على ضعفه، فقال احمد:ليس بشیء ولايكتب حديثه،وقال ابن معين: ضعيف الحديث وقال ابوحاتم:ضعيف الحديث ليس بقوی، وقال البخاری: ليس بالقوی عندهم، وقال ابوداؤد: ليس بشیء وقال النسائی: متروک الحديث. (حاشية شعب الايمان٢/٣٢٧)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں **''ضغطة القبر''** *کی وجہ* **''تقصير فی الاجتناب من البول''** *بتائی گئی ہے وہ روایات صحیح نہیں ہیں بلکہ انتہائی*

ضعیف ہیں اور قابل احتجاج نہیں، جبکہ جلیل القدر صحابی جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سید فرمایا، بخاری شریف میں ہے: **قوموا إلى سيدكم** . (صحیح البخاری ۱/۵۳۷) نیز فرمایا:

" إن حكمه قد وافق حكم الله" اور یہ بھی فرمایا: **" إن عرش الرحمن اهتز لموته "**، یعنی حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات کی وجہ سے رحمٰن کا عرش ہل گیا لہذا صحیح روایات جو فضائل میں وارد ہوئی ہیں ان کا اعتبار ہوگا اور ضعیف روایات کا اعتبار نہیں ہوگا۔

یاد رہے کہ ضغطۃ القبر والی روایات صحیح ہیں۔ ملاحظہ ہو: **مجمع الزوائد: ٣/٤٦، وقال الهيثمي رواه احمد عن نافع عن عائشة،وعن نافع عن أنس ؓ أن عائشة ؓ، وكلا الطريقين رجالها رجال الصحيح . والبيهقي في دلائل النبوة: ٤/ ٤٦، بسند صحيح عن ابن عمر وصحيح ابن حبان: ٧/٣٧٩ ، وغيره** لیکن اس سے مراد عذاب قبر نہیں بلکہ تنگی مراد ہے پھر وسعت ہوگئی چنانچہ علماء نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

اتحاف السادة المتقين میں ہے:

وروى البيهقي وابن منده والديلمي وابن النجار عن سعيد بن المسيب ان عائشة ؓ قالت يا رسول الله منذ يوم حدثتني بصوت منكر ونكير و ضغطة القبر ليس ينفعني شيء قال يا عائشه ان اصوات منكر و نكير في اسماع المؤمنين كالاثمد في العين وان ضغطة القبر على المؤمن كالام الشفيقة يشكو إليها ابنها الصداع فيتغمز رأسه غمزاً

رفيقاً ولكن يا عائشة ويل للشاكين في الله كيف يضغطون في قبورهم كضغطة الصخرة على البيضة. (اتحاف السادة المتقين ١/٤٢٢)

شعب الایمان کے حاشیہ میں ہے:

وقال الذهبي: هذه الضمة ليست من عذاب القبر في شيء بل هو أمر يجده المؤمن كما يجد ألم فقد ولده وحميمه في الدنيا، وكما يجد من ألم مرضه، وألم خروج نفسه، وألم سواله في قبره وامتحانه، وألم تأثره ببكاء أهله عليه ، وألم قيامه من قبره، وألم الموقف وأهواله، وألم الورود على النار ونحو ذلك .

فهذه الأراجيف كلها قد تنال العبد، ما هي من عذاب القبر، ولا من عذاب جهنم قط، ولكن العبد التقي يرفق الله به في بعض ذلك أو كله ، ولا راحة للمؤمن دون لقاء ربه . (شعب الايمان:٢/٣٢٨)

(۵) حضرت زینب بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عذابِ قبر کی روایات بھی صحیح نہیں ہیں اور ان کا اعتبار نہیں۔ ملاحظہ ہو:

التذكرة للقرطبي میں ہے:

عن زاذان أبي عمر قال: لما دفن رسول الله ﷺ ابنته زينب ؓ عند القبر فتربد وجهه، ثم سرى عنه فقال له أصحابه: رأينا وجهك يارسول الله تربد آنفا ثم سرى عنك فقال النبي ﷺ ذكرت ابنتي وضعفها وعذاب القبر فدعوت الله ففرج عنها وايم الله لقدضمت

ضمة سمعها مابين الخافقين. (التذكرة للقرطبى ص ۱۱۱)

قال ابن الجوزى فى الموضوعات: هذا لايصح من جميع طرقه. قال الدار قطنى: رواه الاعمش، واختلف عنه فرواه ابوحمزة السكرى عن الاعمش عن سليمان بن المغيرة عن انس، ورواه سعد بن الصلت عن الاعمش عن ابى سفيان عن انس، ورواه حبيب بن خالد الاسدى عن الاعمش عن عبد اللّٰہ بن المغيرة عن انس والحديث مضطرب عن الأعمش. وحوشيت زينب من مثل هذا.
(الموضوعات ۳/۲۳۲)

خلاصہ: یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ صحیح اور قابل اعتماد نہیں جبکہ حضرت زینبؓ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ میری بیٹی دین کی خاطر سب بیٹیوں میں زیادہ ستائی گئی۔ صرف ایک ہجرت کا واقعہ پڑھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ کتنی تکالیف برداشت کیں۔ حمل کی حالت میں نیزے برداشت کئے، حتیٰ کہ حمل بھی ساقط ہوگیا پھر بھی عذابِ قبر کو تسلیم کرنا عقل سے بعید ہے اور سمجھ میں آنے والا نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۶) حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مفسرین نے روایات نقل کی ہیں آیت کریمہ "**ومنهم من عاهد اللّٰه لئن اتانا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين**" کی تفسیر میں وہ تمام روایات صحیح اور قابل اعتماد نہیں جبکہ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں اور اصحاب بدر کے مستقل فضائل ومناقب ہیں انکے

ناموں میں اتنی تاثیر ہے کہ دعا قبول ہوتی ہے انکے بارے میں خوشخبری ہے "**اعملوا ماشئتم فقد وجبت لكم الجنة اوقد غفرت لكم**". (صحيح البخارى: ۲/۲۰۲-۳ ومسلم ۲/۳۰۲)

لہٰذا ایسی روایات جن کی وجہ سے ان کی شان میں نقص آئے قابل احتجاج نہیں چاہے بڑے بڑے محققین اپنی کتابوں میں ذکر کریں لیکن پھر بھی ان روایات کا بیان کرنا درست نہیں، نہ مواعظ میں اور نہ قصص میں الا یہ کہ ان کے باطل ہونے کو واضح کردے۔

جن علماء نے تردید کی ہیں ان کے چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

قال الدكتوروهبه الزحيلى فى التفسير المنير: هناك قصة مشهورة بين الناس تروى فى سبب نزول هذه الآيات ردتها كتب التفسير لم تصح لدى المحدثين، وهى ما اخرجه الطبرانى وابن مردوية وابن ابى حاتم والبيهقى فى الدلائل بسند ضعيف عن ابى امامة ان ثعلبة بن حاطب قال... الخ.

واخرجه ابن جريروابن مردويه عن ابن عباس نحوه.

والحقيقة ان ماروى عن ثعلبة غير صحيح لدى المحدثين ثعلبة بدرى أنصارى، وممن شهد اللّٰه له ورسوله بالإيمان. وذكرعن ابن عباس رضی اللہ عنہ فى سبب نزول الآية أن ثعلبة بن حاطب أبطأ عنه ماله بالشام، فحلف فى مجلس من مجالس الأنصار: إن سلم ذلك لأتصدقن منه، ولأصلن منه فلما سلم بخل بذلك، فنزلت، وهذا أيضاً غير صحيح.
(التفسير المنير: ۱۰/۳۱۸-۳۱۹، ط: دمشق)

تفسیر ماوردی کے حاشیہ میں ہے:

ولم يثبت فی ذلک حديث صحيح بل كل ماورد لم يصح سنده ولا متنه عند التحقيق بعد ان ضعف هذه الرواية كلا من الحافظ ابن حجر والبيضاوى والسيوطى وابن حزم والهيثمى وغيرهم فالعجب من ذكر المفسرين لهذه القصة بعد عدم ثبوتها وقد جمع احد الفضلاء ماقيل فى هذه القصة وفند اسانيدها فى رسالة بعنوان الشهاب الثاقب فى الذب عن الصحابى ثعلبة بن حاطب فراجعها فانها مهمة جدا.

(حاشية التفسير الماوردى للمحقق السيد عبد المقصود بن عبد الكريم ٢/٣٨٣)

زاد المسیر کے حاشیہ میں ہے:

وخرجه الهيثمى فى المجمع: ٧/٣١ ـ ٣٢، وقال رواه الطبرانى وفيه على بن يزيد الالهانى وهومتروک وقال الحافظ ابن حجرفى تخريج احاديث الكشاف رواه الطبرانى والبيهقى فى الدلائل والشعب وابن ابى حاتم والطبرانى وابن مردويه كلهم من طريق على بن يزيد الالهانى عن القاسم بن عبد الرحمن عن ابى امامة ، وقال وهذا اسناد ضعيف جداً. (حاشيه زاد المسيرلابن الجوزى٣/٤٨٤)

وقال الامام محمد رشيد فى تفسير المنار :

وفى الحديث اشكالات تتعلق بسبب نزول الآيات وظاهرسياق القرآن انه كان فى سفرغزوة تبوک ، وظاهره انها نزلت عقب فرضية الزكاة والمشهور أنها فرضت فى السنة الثانية و فيه خلاف تقدم فى

تفسير قسمة الصدقات وبعدم قبول توبة ثعلبة وظاهرالحديث ولا سيما بكائه أنها توبة صادقة ، وكان العمل جارياً على معاملة المنافقين بظواهرهم و ظاهر الأيات أنه يموت على نفاقه ولا يتوب عن بخله وإعراضه وأن النبي صلى الله عليه وسلم وخليفتيه عاملاه بذلک لا بظاهر الشريعة ، وهذا لا نظيرله فى الإسلام . (تفسيرالمنار:١٠/٥٦١)

صفوة التفاسير کے حاشیہ میں ہے:

وهذا الذى ذكره المفسرون غير ثعلبة بن أبي حاطب الصحابي المشهور وإنما هذا رجل من المنافقين يسمىٰ ثعلبة والله اعلم .

(حاشية صفوة التفاسير:١/٥٥١)

حاشیۃ الشہاب کے حاشیہ میں ہے:

خبر ثعلبة اخرجه الطبرانى: ٧٨٧٣ وفى الطوال : ٢٠ والطبرانى ١٧٠٠٢ والبيهقى فى الدلائل :٥/٢٩٠ والواحدى: ٥٢٧ من طريق معان بن رفاعة عن يزيد عن القاسم بن عبد الرحمن عن ابى امامة به مطولا،واسناده ضعيف جدا،معان بن رفاعه ضعفه ابن معين وغيره و على بن يزيد متروک الحديث ليس بثقة (حاشيه الشهاب ج٤ص٦٠٤)

وشيخه القاسم ضعفه غير واحد وقال أحمد بن حنبل: هو منكر الحديث حدث عنه على بن يزيد اعاجيب وما اراها الا من القاسم، وقال ابن حبان كان يروى عن اصحاب رسول الله المعضلات . الموضوعات ص٢٣٣ ج ٣) وقال الهيثمى فى المجمع ٧/٣٢ :رواه

الطبرانى وفيه على بن يزيد ، وهومتروك.(حاشية الشهاب ٤/٦٠٤)

وفى معرفة الصحابة لابى نعيم:

ثعلبة بن حاطب الانصارى شهد بدراً ، وتوفى فى خلافة عثمان ؓ . وعلى هامشه: أخرجه ابن أبى عاصم فى الآحاد و المثانى: (٢٢٥٣)،و الطبرانى (٨/٧٨٧٣)،من طريق معان بن رفاعة به،وسنده ضعيف،على بن يزيد ضعيف، والقصة لاتصح البتة. (حاشية معرفة الصحابة ١/٤١٦)

وقال الامام البيهقىؒ فى دلائل النبوة:

هذا حديث مشهورفيما بين اهل التفسيروانما يروى موصولاً بأسانيد ضعاف .(دلائل النبوة ٥/٢٩٢)

وقال ابن حجرؒ فى فتح البارى:

وجزم ابن الاثيرفى التاريخ بان اول وقت فرض الزكاة كان فى التاسعة...وقوى بعضهم ما ذهب اليه ابن الاثيربما وقع فى قصة ثعلبة ابن حاطب المطولة...لكنه حديث ضعيف لايحتج به. (فتح البارى: ٣/٢٦٦)، وللمزيد راجع: حاشية قرة العينين على تفسير الجلالين،ص ٢٥٤ . ٢٥٢).

و قال المناوى فى فيض القدير :

قال البيهقى فى اسناد هذا الحديث نظر و هو مشهور بين اهل التفسير واشارة فى الاصابة الى عدم صحة هذا الحديث فانه ساق هذا الحديث فى ترجمة ثعلبة هذا ثم قال وفى كون صاحب هذه القصة ان

صح الخبر ولا أظنه يصح هو البدرى نظر . (فيض القدير ٤/٥٢٧)

وقد ضعف القصة من المعاصرين العلامة احمد محمد شاكر، وشيخنا العلامة محمد الحافظ التجانى، والشيخ ناصر الدين الالبانى، فقال: ضعيف جداً. (ضعيف الجامع الصغير ٤/١٢٥)

والسيد محمد رشيد رضا،كما اشار الى ضعفها ابن حمزة الحسينى: و قال ابن حزم:انا وقد روينا اثرا لايصح،وفيه انها نزلت فى ثعلبة بن حاطب وهذا باطل،لان ثعلبة بدرى معروف......واخرج الحديث من رواية معان بن رفاعة وقال:وهذا باطل لاشك......وفى رواية معان بن رفاعة،والقاسم بن عبد الرحمن،وعلى بن يزيد وهوابوعبد الملك الالهانى وكلهم ضعفاء ولايخفى ان ابن حزم قد تناول متن القصة اولا فابطله،ثم تناول السند فضعف رواته،فصارسند القصة ومتنها واهيين و هذا ماخلصنا اليه. (رسالة ثعلبة بن حاطب الصحابى المفترى عليه ص ٩٢ للدكتور عداب محمود الحمش)

حاصل یہ ہے کہ یہ قصہ تین حضرات سے مروی ہے:

(١)عبد الله بن عباس ؓ

(٢)ابو امامه باهلى ؓ

(٣)الحسن البصرى موقوفاً اورتینوں سندوں میں ضعفاء ہیں لہذا یہ قصہ قابل اعتماد نہیں ہے۔

(١)عبداللہ بن عباس ؓ کی سند میں سب رواۃ ضعیف ہیں؛ چنانچہ ڈکتور عداب

محمود نے رسالہ میں تینوں سندوں کی تحقیق فرمائی ہے اور تمام رواۃ پر کلام کیا ہے جن کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فاسناد هذا الحديث كما ترى لا يقوم به حجة و اذا قيل عن رواية الشافعي عن مالك عن نافع عن ابن عمر بانها سلسلة الذهب،فهذه سلسلة العوفيين سلسلة العجب!

كلهم ضعفاء،و بعضهم اشد ضعفا من بعض، ولا يثبت بمثل هذا الاسناد ثمن باقةبقل،فضلا عن اثبات ايمان،او نفيه،او اثبات الردة و النفاق !!

(۲) ابوامامہ باہلیؓ کی سند میں بھی اکثر ضعفاء ہیں مثلا: (۱) معان بن رفاعہ (۲) علی بن یزید (۳) قاسم یہ تینوں ضعیف ہیں کچھ کلام گزر چکا ہے۔

فاسناد هذا الحديث حديث أبي امامة الباهلي ؓ ، فيه معان بن رفاعة و علي بن يزيد و القاسم بن عبد الرحمن و قد تفرد به القاسم عن أبي امامة ،و تفرد به علي بن يزيد عن القاسم،و تفرد به معان عن علي بن يزيد.

فالحديث منكر جداً، إذ لا يقبل تفرد واحد منهم .

قال العلامة أحمد شاكر معلقاً على هذا الخبر: و هو ضعيف كل الضعف ليس له شاهد من غيره ، وفي بعض رواته ضعف شديد. (تفسير طبری: ۱۴/ ۳۷۳)

(۳) حضرت حسن بصریؒ سے موقوفاً مروی ہے اور اس میں اکثر ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو:

و هذا الأثر كما ترى موقوف على الحسن البصريؒ من قوله، فهو لو صح اليه، لما كان فيه حجة ،اذ هو قول تابعي، وهذا الامر دين، و لا حجة بقول احد دون رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اصطدم باصل صحيح من أصول الدين.

و إذا نحن استثنينا في هذ الاثر الحسن البصريؒ و ابن اسحاقؒ فانه لا تقوم حجة بمن سواهما على خلاف فيما تفرد به ابن اسحاق ايضا.فهذا الاثر ضعيف، واذا اخذنا بقول المشددين في عمرو بن عبيد، فيكون الاثر موضوعاً منه على الحسن، فكيف نقرر به أمراً خطيراً فيه الطعن على صحابي بدري جليل؟ بل على بدريين اثنين؟ ثعلبة بن حاطب، و معتب بن قشير. (ملخص از رسالہ ثعلبہ بن حاطب الصحابي المفترى عليه ص ۶۳ تا ۷۶)

یہ تو سند کے اعتبار سے بحث تھی لیکن متن کے اعتبار سے بھی یہ قصہ چند وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) بدری صحابہ کے فضائل ومناقب متواتر ہیں اس سے اس قصہ کا ٹکراؤ ہے۔

(۲) اصحاب قصہ میں اضطراب ہے کہ کس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اس میں چند اقوال ہیں:

۱۔ ثعلبہ بن حاطب
۲۔ ثعلبہ بن ابی حاطب
۳۔ حاطب بن ابی بلتعہ
۴۔ منافقین کا ایک گروہ
۵۔ نبتل
۶۔ ثعلبہ رجل من المنافقين لا المشهور البدري.

(۳) حضرت ثعلبہ کی وفات میں اختلاف ہے، جس کی وجہ سے اس قصہ کی تردید ہوتی ہے۔

ا۔جن حضرات نے یہ قصہ بیان کیا انھوں نے ان کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تسلیم کی۔

۲۔ بعض نے کہا: احد میں شہید ہوئے۔

۳۔ بعض نے کہا: غزوۃ خیبر میں شہید ہوئے۔

(۴) یہ قصہ کتب صحاح، یا مسانید یا سنن میں مذکور نہیں اس کی وجہ سے بھی صحت بعید معلوم ہوتی ہے۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں شریک نہ ہونے والے منافقین کے عذر قبول فرمائے، نیز حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ جب نادم ہوکر روتے ہوئے آئے اور توبہ قبول نہ ہوئی، اس کی اسلام میں نظیر نہیں اور اصولِ دین سے متصادم ہے۔

(۶) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ، ان حضرات نے بھی قبول نہیں کیا، حالانکہ کسی کے بس میں نہیں ہے کہ کوئی عبادت کرنا چاہے اور دوسرا اس کو روکے اور تعجب کی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں سے قتال کیا اور جو زکوٰۃ ادا کرنے آیا اس کی زکوٰۃ قبول نہیں فرمائی!!!

(۷) مشہور یہ ہے کہ اسلام کے احکام لوگوں کے ظاہری حالات کے مطابق ہوتے ہیں جیسے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی منافق کی نمازِ جنازہ پڑھائی اپنا قمیص کفن کے لئے دیا صرف ظاہری اسلام کی وجہ سے ورنہ یقینی معلوم تھا کہ یہ

منافق ہے۔

(۸) یہ قصہ اس آیتِ کریمہ کے خلاف ہے: **إن الذین یکتمون ما أنزلنا ... إلا الذین تابوا و أصلحوا و بینوا فأولئک أتوب علیهم وأنا التواب الرحیم.** [سورة البقرة: ۱۶۰]

(۹) اس آیتِ کریمہ کے بھی خلاف ہے: **ألم یعلموا أن اللّٰه هو یقبل التوبة عن عباده و یأخذ الصدقات وأن اللّٰه هو التواب الرحیم.** [سورة التوبة: ۱۰۴]

(۱۰) جو حضرات کہتے ہیں کہ ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ بدری ہیں اور یہ ثعلبہ بن ابی حاطب ہیں، یہ بات درست نہیں کیونکہ اکثر روایات میں ثعلب بن حاطب ہیں یہ تفریق جن روایات میں مذکور ہے وہ ضعیف ہیں جن کی اسناد میں ابن الکلبی وعطیہ بن سعد مطعون وشیعہ راوی ہیں۔ (ملخص از رسالہ ثعلبہ بن حاطب ص۸۳تا۹۰)

مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:

رسالہ "**ثعلبه الصحابی المفتری علیه للدکتور عداب محمود الحمش**" نیز رسالہ "**الشهاب الثاقب فی الذب عن الصحابی ثعلبة بن حاطب**"۔

اس مقام میں تفصیل اس وجہ سے کی گئی ہے کی مقررین اپنی تقریروں میں بڑے مزے سے یہ واقعہ بیان کرتے ہیں نیز عامۂ مفسرین نے بھی بڑے شوق سے تفصیل کے ساتھ اپنی تفسیروں میں جگہ دی خصوصاً محقق ابن کثیر کا سکوت اس مقام پر تعجب خیز ہے!!!

اور اصلاح کی کتابیں چھپتی ہیں اُن میں بھی یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے مثلاً: ایک

کتاب جمعیت سے چھپی ہے ”تسہیل الاحادیث والاخلاق“ کے نام سے، اس میں بھی یہ واقعہ: بعنوان: ویلتھ ص۶۹ (wealth) مذکور ہے۔ حالانکہ حضرت ثعلبہ بدری صحابی ہیں اور یہ اُن پر بہتان ہے اس سے مکمل احتراز لازم ہے، مواعظ میں بھی نہ بیان کیا جائے مگر یہ کہ بطلان کو واضح کرے۔ واللہ اعلم۔

(۷) جد بن قیس الانصاری رضی اللہ عنہ۔

(۸) معتب بن قشیر العوفی الانصاری رضی اللہ عنہ۔

(۹) نبتل بن الحارث العوفی الانصاری رضی اللہ عنہ۔

ان تینوں صحابہ کو بھی اسی آیتِ کریمہ **و منهم من عهد الله لئن آتانا من فضله الخ** کے شانِ نزول میں متہم کیا گیا ہے۔ چنانچہ مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

تعدد الاقوال فی سبب نزول قوله تعالی: ومنهم من عهد الله الخ. ومع تعدد هذه الاقوال ،تعدد الاشخاص الذين اتهموا بالنفاق الذی كان سبب نزول الآية،فكان مع ثعلبه بن حاطبؓ ثلاثة آخرون هم: الجد بن قيس السلمی الانصاریؓ، ومعتب بن قشير العوفی الانصاری ونبتل بن الحارث العوفی الانصاریؓ.

(از رسالہ ثعلبہ بن حاطب ص۹۵)۔

اس کا بھی اعتبار نہیں محض شبہہ کی وجہ سے کسی صحابی پر نفاق کا حکم لگانا یا کسی تہمت سے متہم کرنا اہل حق کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

أن ثعلبة بن حاطبؓ، و الجد بن قيسؓ، ومعتب بن قشيرؓ، ونبتل بن الحارثؓ رضی الله عنهم صحابة مؤمنون،لا يجوز الحكم بالنفاق علی واحد منهم لمجرد وجود شبهة عند أهل الحق.

ان صحابة رسول الله ﷺ و بخاصة الذين ورد فی حقهم ثناء خاص او بشری، قد دخلوا فی الاسلام بيقين، وشهد لهم بذلک الله و رسوله ﷺ،فلا يجوز إخراج واحد منهم من الإسلام إلا بدليل صريح صحيح يقطع العذر ، و يبرء الذمة امام الله تعالیٰ . (رسالة ثعلبه ص ۲۲)

(۱۰) آیت کریمہ **ولا أن تنكحوا أزواجه من بعده أبداً .** [الاحزاب: ۵۳] کی تفسیر میں مفسرین حضرات نے ایک روایت نقل کی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ سے نکاح کا ارادہ کیا تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وذكر ابن ابی حاتم بسنده عن السدی ان الذی عزم علی ذلک طلحة بن عبيد الله رضی الله عنه حتی نزل التنبيه علی تحريم ذلک . (تفسير ابن كثير: ۳/۵۵۶)

یہ روایت درست نہیں دوسرے علماء نے اس پر کلام کیا ہے اس وجہ سے کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں، ان کے بارے میں یہ بات کہنا درست نہیں، لہذا اس روایت کا اعتبار نہیں اور نہ اس روایت کو آیتِ کریمہ کے شانِ نزول میں پیش کرنا چاہئے، بلکہ صحیح تفسیر یہ ہے کہ بعض منافقین نے یہ بات کہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف

پہنچانے کی غرض سے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں:

تفسیر قرطبی میں ہے:

قلت وكذا حكى النحاس عن معمر أنه طلحة ولا يصح، قال ابن عطية لـلّه در ابن عباس وهذا عندى لايصح على طلحة عبيد الله قال شيخنا الامام ابو العباس: وقد حكى هذا القول عن بعض فضلاء الصحابة، وحاشا هم عن مثله والكذب فى نقله وانما يليق مثل هذا القول بالمنافقين الجهال يروى ان رجلا من المنافقين قال حين تزوج رسول الله ﷺ ام سلمة، وحفصة بعد خنيس بن حذافة مابال محمد يتزوج نسائنا والله لوقد مات لأجلنا السهام على نسائه، فنزلت الآيت فى هذا. (تفسير قرطبى :١٤/ ١٤٧).

زاد المسير کے حاشیہ میں ہے:

اخرج ابن سعد عن الواقدى عن عبد الله بن جعفر عن ابن عون عن ابى بكر ابن حزم فى هذه الآية قال نزلت فى طلحة قال اذا توفى رسول الله ﷺ تزوجت عائشة، والواقدى متروك مع سعة علمه كما قال الحافظ ابن حجر فى التقريب ص ٣١٣. (حاشية زاد المسير: ٦/ ٤١٦).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ دو سند سے مروی ہے (۱) ابن ابی حاتم؛ اس سند میں سدی پر کلام ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: **رمى بالتشيع** (التقریب ص۳۴) یعنی اس پر شیعہ ہونے کی تہمت ہے نیز یحییٰ بن معین اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے بھی تضعیف

کی ہے ملاحظہ ہو: (تہذیب تہذیب الکمال:۳/ ۱۳۵)۔

(۲) اور جو روایت ابن سعد کی ہے اس میں واقدی متروک راوی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا تقریب ص ۳۱۳۔ لھذا دونوں سندوں پر کلام ہے نیز مفسرین نے بھی اس واقعہ کی تردید کی ہے جیسے امام قرطبی ابن جوزی وغیرہ اس وجہ سے یہ روایت معتبر نہیں، خصوصاً جبکہ جلیل القدر صحابی کی شان کے خلاف ہے نیز علامہ سیوطیؒ نے بھی دفاع کرنے کی کوشش کی ہے اور فرمایا کہ طلحہ سے مشہور صحابی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں وہ مراد نہیں، بلکہ دوسرے صحابی طلحہ بن عبیداللہ بن مسافع مراد ہیں، ملاحظہ ہو (الحاوی للفتاوی ج۲ ص ۱۱۶) لیکن صحابی بہرحال صحابی ہے چاہے بڑا ہو یا چھوٹا، انکی شان میں اس قسم کے واقعات صحیح ماننا درست نہیں جبکہ روایات بھی ضعیف ہوں، واللہ اعلم۔

(۱۱) آیت کریمہ **يا أيها الذين آمنوا ان جاء كم فاسق بنبأ..** کے شانِ نزول میں اکثر مفسرین حضرات نے فرمایا ہے کہ فاسق کا مصداق حضرت ولید بن عقبہؓ ہیں۔ جبکہ ولید بن عقبہ ؓ صحابی ہیں اور ان کو قرآن کریم کی آیتِ کریمہ میں فاسق کا مصداق قرار دینا بہت بعید ہے۔

ملاحظہ ہو وہ روایت جس میں ولید بن عقبہ کو فاسق قرار دیا گیا:

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن علقمة بن ناجية قال: بعث إلينا رسول الله ﷺ الوليد بن عقبة بن أبي معيط يصدق أموالنا فسار حتى إذا كان قريباً منا وذلك بعد وقعة المريسيع فرجع ...حتى نزلت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا إن جاء

كم فاسق بنبأ...﴾(مجمع الزوائد:۱۰۹/۷،دارالفکر).

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو روایات مفسرین نے نقل کی ہیں وہ ضعیف ہیں ان کا اعتبار نہیں۔ ان میں سے اکثر مجاہد قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ پر موقوف ہیں اور جو روایات مرفوع ہیں ان کی اسناد میں ضعیف رواۃ ہیں، مثلاً طبرانی کی ایک سند میں یعقوب بن حمید ہے۔

قال الهيثمي في "المجمع"(۱۱۰/۷،دارالفکر): **ضعفه الجمهور.**

دوسری سند میں عبداللہ بن عبدالقدوس التیمی ہے۔

قال الهيثمي في "المجمع" (۱۱۰/۷،دارالفکر): **وقد ضعفه الجمهور.**

تیسری سند میں موسیٰ بن عبیدہ ہے۔ **قال الهيثمي في "المجمع"** (۱۱۱/۷،دارالفکر): **وهو ضعيف.**

وضعفه النسائي وابن المديني وابن عدي.

وفيه ثابت مولى أم سلمة مجهول لم يذكر في كتب الرجال.

اور جو روایت مجاہد پر موقوف ہے اس میں عبداللہ بن سعید بن ابی مریم ہے۔

وهو ضعيف قاله الهيثمي.(مجمع الزوائد ۱۱۱/۷).

قيل إسناد مسند أحمد صحيح: حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا محمد بن سابق ثنا عيسى بن دينار ثنا أبي أنه سمع الحرث بن ضرار الخزاعي رضي الله عنه قال: قدمت على رسول الله ﷺ... الخ. (مسند أحمد:۲۷۹/٤).

لكن دينار والد عيسى مجهول، فكيف يكون صحيحاً؟

قال في تحرير التقريب:

بل مجهول، تفرد بالرواية عنه ابنه عيسى بن دينار، ولم يوثقه سوى ابن حبان، لذلك ذكره الذهبي في الميزان. (تحرير التقريب: ۳۸۲/۱).

فلا اعتبار لهذه الرواية فمن قال: الإسناد صحيح فلا يلتفت إلى قوله.

شیخ شعیب الارنؤوط نے چند شواہد ذکر کیے ہیں لیکن سب ضعیف ہیں، ضعاف اور مراسیل کی تائید سے حدیث کو حسن بتلانا کیسے درست ہوگا جب کہ کسی صحابی پر الزام لگتا ہو؟ لہٰذا ان شواہد کا کوئی اعتبار نہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضي الله عنه عند الطبري أيضاً في "تفسيره" (۲٦/ ۱۲۳-۱۲٤)، **والبيهقي في "السنن الكبرى"**(۹/٥٤-٥٥)، **وفي إسناده الحسين بن الحسن بن عطية العوفي وأبوه وجده وهم ضعفاء.**

وعن أم سلمة عند الطبري أيضاً (۱۲۳/۲٦)، **والطبراني:** ۲۳/ (۹٦۰)، **وفي إسناده موسى بن عبيدة، وهو ضعيف، وثابت مولى أم سلمة مجهول، ومع ذلك ذكره ابن حبان في "الثقات"**(۹٥/٤)، **وقال: روى عنه أهل المدينة.**

وعن جابر بن عبد الله عند الطبراني في "الأوسط"(۳۸۰۹) **وإسناده ضعيف.**

وعن علقمة بن ناجية عند الطبراني في "الكبير"١٨(٤)، وإسناده ضعيف كذلك . (تعليقات الشيخ شعيب على مسند الامام احمد: ٣٠/٤٠٥. ٤٠٦، رقم ١٨٤٥٩).

علاوہ ازیں ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ولید بن عقبہ بچے تھے رسول اللہ ﷺ نے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا لیکن ولید بن عقبہ کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا اس لئے کہ ان کی ماں نے جو خوشبو ان کے سر پر لگائی تھی وہ آپ ﷺ کو پسند نہیں تھی۔ ملاحظہ ہو:

عن الوليد بن عقبة رضي الله عنه قال لما فتح نبي اللّٰه ﷺ مكة جعل أهل مكة يأتونه بصبيانهم فيدعو لهم بالبركة ويمسح رؤسهم قال فجيئى بي إليه وأنا مخلق فلم يمسني من أجل الخلوق. (رواه ابوداؤد:٢/٢٢٣،باب في الخلوق للرجال،ط:امداديه ملتان).**[وسكت عليه أبوداود، قال أبوداود في رسالته الى اهل مكة: ومالم أذكرفيه شيئاً فهوصالح وبعضها اصح من بعض].** (المقدمةلسنن ابی داود،ص:١).

وقد سكت عنه الإمام أبوداود لكن قال الشيخ عبدالفتاح أبوغدة نقلاً عن الحافظ ابن حجر في النكت على مقدمة ابن الصلاح:

ومن هاهنا يتبين أن جميع ماسكت عليه أبوداود لايكون من قبيل الحسن الاصطلاحي بل هوعلى أقسام (١)منه ماهوفي الصحيحين (٢) أوعلى شرط الصحة (٣) ومنه ما هومن قبيل الحسن لذاته (٤) ومنه ما هو من قبيل الحسن إذا اعتضد وهذان القسمان كثير

في كتابه جداً (٥) ومنه ما هوضعيف لكنه من رواية من لم يجمع على تركه غالباً وكل هذه الأقسام تصلح للاحتجاج بها. (تعليقات القواعد في علوم الحديث للشيخ عبدالفتاح ابوغدة،ص٨٥،ط:دارالسلام).

وأيضاً رواه الإمام أحمد في "مسنده" (٢٦/٣٠٥،رقم :١٦٣٧٩)،**قال الشيخ شعيب في تعليقاته: إسناده ضعيف، لجهالة عبد اللّٰه الهمداني وهو أبوموسىٰ، فقد انفرد بالرواية عنه ثابت بن الحجاج الكلابي، وجهله الذهبي وابن حجر في "التقريب"، وقال البخاري في "التاريخ الكبير"**(٥/٢٢٤)**: لايصح حديثه ، وقال ابن عبدالبر: أبوموسىٰ هذا مجهول، والخبرمنكر لايصح ...الخ .**

ورواه الطبراني في "الكبير"(٢٢/١٥١/٤٠٨)**، وقال:هكذا رواه زيدبن أبي الزرقاء عن جعفر عن ثابت بن الحجاج عن عبد اللّٰه الهمداني (عن أبي موسىٰ)عن الوليدبن عقبة، والصواب عن عبد اللّٰه الهمداني أبي موسىٰ عن الوليد بن عقبة، والطحاوي في"شرح مشكل الآثار"** (٣/٢٥٢/رقم ٥٢٣٩) **، وابن عمرو الشيباني في الآحاد والمثاني** (١/٤٠٦/٥٦٤) **وقال عن أبي موسى عبد اللّٰه الهمداني عن الوليدبن عقبة، وابن عساكرفي "التاريخ"** (٦٣/٢٢٥) **،وقال: وعندى ان عبدالله الهمداني هو أبوموسىٰ يدل على ذلك مااخبرنا...قال ابن أبي خيثمة :أبوموسىٰ الهمداني اسمه عبدالله وهذا حديث مضطرب الإسناد ولايستقيم عند أصحاب التواريخ أن الوليد كان يوم فتح مكة صغيراً،**

والحافظ البغدادی فی ”معجم الصحابة“ (ص:٥٢١٨،رقم ٢٠٩٧) عن ابن أحمد عن أبيه أحمد بن حنبل .

وللمزيد من البحث انظر: (العواصم من القواصم للشيخ ابن العربیؒ (٤٦٨-٥٤٣هـ)بتحقيق محب الدين الخطيب: ٩٢، ٩٣،ط:سهيل اكيدمی).

آپ ﷺ کی وفات فتح مکہ کے دو سال بعد ہوئی تو کیا ایک دو سال میں وہ حضرت مریم کی طرح اتنے بڑے ہوگئے کہ ان کو عامل بنا کر بھیجا گیا۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ولید بن عقبہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ منورہ اپنی بہن ام کلثوم کو لینے گئے تھے، اور یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے، اگر وہ فتح مکہ کے موقع پر بچے تھے تو کیسے بہن کو لینے کے لیے گئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ حدیث اور تاریخ کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے لیکن ضعیف اور کمزور ہے، اس سے استدلال ناتمام ہے۔ واقعہ ملاحظہ ہو:

روى الحاكم (م٣٢١-٤٠٥هـ) فی ”المستدرک“ (٧٨/٤، رقم: ٦٩٢٧، ذكرام كلثوم رضى الله تعالىٰ عنها) بسنده فقال: حدثنا أبو عبدالله الأصبهاني ثناالحسن بن الجهم ثنا الحسن بن الفرج ثنامحمدبن عمر قال: لايعلم قرشية خرجت من بيت أبويهامسلمة مهاجرة إلى الله ورسوله إلا أم كلثوم بنت عقبة ، خرجت من مكة وحدها، وصاحبت رجلاً من خزاعة حتى قدمت المدينة فی هدنة الحديبية، فخرج في أثرها أخواها الوليد وعمارة فقدما وقت قدومها فقالا: يامحمد فِ لنا بشرطنا وما عاهدتنا عليه، ...الخ.

یہ روایت ضعیف ہے اولاً تو محمد بن عمر الواقدی پر بہت کلام ہے امام بخاری وغیرہ نے متروک کہا ہے، اور اس میں انقطاع ہے، دوسرے راوی حسین بن فرج پر بھی کلام ہے، یحیی بن معین نے کذاب فرمایا، امام ابوزرعہ نے ”ذهب حديثه،ليس بشيء“ فرمایا۔

مزید ملاحظہ ہو: (الكاشف: ٢٠٥/٢،ترجمة: ٥٠٧٨،وكتاب الضعفاء لابن الجوزى: ٢١٦/١، ترجمة: ٩٠٦).

ورواه البيهقي في ”السنن الكبرى“ (٢٢٩/٩،باب نقض الصلح) بسنده عن الزهري وعبد الله بن أبي بكر.

قلت: فيه أحمد بن عبدالجبار وهو ضعيف، قال ابن عدی فيه: رأيت أهل العراق مجتمعين على ضعفه لأنه حدث عن من لم يلقه. وقال أبوحاتم الرازی: ليس بالقوي، قال الحافظ: وقد ضعفه جماعة .

وللمزيد من البحث انظر: (الميزان: ١١٢/١،ترجمة:٤٤٣،والضعفاء لابن الجوزى: ٧٥/١، ترجمة:١٩٥،واللسان :ترجمة: ٢٢٢٩،والتقريب،ص١٤).

طبرانی وغیرہ میں ایک اور سند کے ساتھ یہ واقعہ مذکور ہے لیکن اس میں ایک راوی عبد العزیز بن عمران ضعیف ہے۔

قال الهيثمي فی ”المجمع“ (١٢٣/٧، سورة الممتحنة، دارالفكر) :رواه الطبراني وفيه عبد العزيز بن عمران وهوضعيف.

نیز یہ واقعہ: ” معرفة الصحابة: (١٠٤/٣)، ترجمة ١٥٧٥ - عبد الله بن أبي أحمدبن جحش، والطبقات الكبرى لابن سعد: (٢٣١/٨)، ترجمة أم

كلثوم، دارصادربيروت، وتفسيرابن كثير: (٣٧٠/٤)، سورة الممتحنة ، وتاريخ دمشق :(٣٥٨/٢٩)، والآحاد والمثاني:(٤٩٧/١)، رقم: (٦٠٩)، وأسد الغابة:(٦٧/٣)" وغیرہ میں سند کے ساتھ مذکور ہے لیکن سند ضعیف اور منقطع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے بنابریں یہ واقعہ مخدوش ہے۔

علی سبیل التنزل اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے تب بھی ولید بن عقبہ کے فتح مکہ کے موقع پر بچے ہونے میں فرق نہیں آئیگا، اس لیے کہ ولید بن عقبہ کا یہ سفر اپنے بھائی کی رفاقت میں ہوا تھا، لہذا عمارہ اصل تھے اور ولید تابع اور بچے تھے، اور بڑے بھائی کی رفاقت میں عام طور پر چھوٹے بھائی کا سفر ہوتا ہے اس سے ان کا بڑا ہونا لازم نہیں آتا۔

جیسا کہ العواصم، ص ۹۳ کے حاشیہ میں مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

وأصل هذا الخبر إن صح مقدم فيه اسم عمارة على اسم الوليد، وهذا مما يستأنس به في أن عمارة هو الأصل في هذه الرحلة وأن الوليد جاء في صحبته ، و أى مانع يمنع قدوم الوليد صبياً بصحبة أخيه الكبير كما يقع مثل ذلك في كل زمان ومكان ؟

یہ بھی یاد رہے کہ تمام روایات میں عمارہ مقدم نہیں ہے، بلکہ حاکم، بیہقی وغیرہ کی روایات میں ولید مقدم ہے اور معرفۃ الصحابہ، ابن کثیر وغیرہ کی روایات میں عمارہ مقدم ہے۔

اگر ابوداود کی روایت ضعیف ہو اور بالفرض ولید بن عقبہ ؓ مراد ہو تو قرآن کے سیاق اور درمنثور کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ کے کچھ شیطان قسم کے لوگ آئے اور ان کو بتلایا کہ قبیلہ والے آپ کے درپئے آزار ہیں تو حضرت ولید ؓ آئے اور

آپ ﷺ کو بتلا دیا۔ ملاحظہ ہو درمنثور میں ہے:

عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: بعث النبي ﷺ الوليد بن عقبة إلى بني المصطلق يصدق أموالهم فسمع بذلك القوم فتلقوه يعظمون أمر رسول الله ﷺ فحدثه الشيطان أنهم يريدون قتله، فرجع إلى رسول الله ﷺ فقال: إن بني المصطلق منعوا صدقاتهم، فبلغ القوم رجوعه، فأتوا رسول الله ﷺ، فقالوا: نعوذ بالله من سخط الله وسخط رسوله بعثت إلينا رجلا مصدقاً فسررنا لذلك وقرت أعيننا ثم أنه رجع من بعض الطريق فخشينا أن يكون ذلك غضباً من الله ورسوله ونزلت: ﴿يايها الذين آمنوا إن جاء كم فاسق بنبأ...﴾ الآية. (الدرالمنثور: ٥٥٦/٧، ط:دارالفكر).

پھر آیت کا مطلب یہ ہوگا: اے ایمان والو یعنی ولید ؓ یا کوئی اور اگر آپ کے پاس فاسق یعنی کافر خبر لائے تو اس کی تحقیق کرو اور بے تحقیق اس کو قبول مت کرو۔

اور روایات میں بھی اضطراب ہے مثلا بعض میں ہے کہ حضرت ولید بن عقبہ ؓ کو بھیجا تھا اور بعض میں رجل کا لفظ آیا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید ؓ کو تحقیق کے لئے بھیجا وہ گئے اور اس بستی کی اذان سنی اور بعض روایات میں آتا ہے کہ زکوٰۃ کا مال جمع کر کے وہ لوگ خود حضور ﷺ کے پاس آئے اور بعض روایات میں آتا ہے ان کے سردار حضرت حارث بن ضرار الخزاعی ؓ نے خود زکوۃ جمع کروائی اور اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے لہذا روایات کا اضطراب بھی ضعفِ واقعہ کی دلیل ہے۔

یہ تمام روایتیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں درمنثور ج ۷، تاریخ مدینہ دمشق ج ۶۳، طبرانی کبیر ج ۳، اور مجمع الزوائد ج ۷، وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کو مطعون کرنے میں ضعیف روایات کا اعتبار نہیں اور صحابی پر فسق کا حکم لگانا اہلِ سنت کے نزدیک جائز نہیں جیسے امام رازیؒ نے فرمایا: ''ويتاكد ماذكرنا ان اطلاق لفظ الفاسق على الوليد شيء بعيد'' . (التفسير الكبير:۲۸/۱۱۹).

قال الشيخ عبد الرحمن محمد سعيد في كتابه''أحاديث يحتج بها الشيعة''(ص:۵۴۲):

أورد ابن كثيرؒ أقوالاً لمجاهدؒ وقتادةؒ وابن أبي ليلىؒ ، وكلها روايات مرسلة وهذه المرسلات لاتصح لإثبات تهمة الفسق على صحابي فإننا لانقبلها في أحكام الطهارة ولا الصلاة، فكيف نقبلها في جرح خيار هذه الامة ؟

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خلاصہ کلام:

(۱) ولید بن عقبہ کے بارے میں اکثر روایات ضعیف اور مرسل ہیں، عقائد میں ان کا اعتبار نہیں۔

(۲) قرآنِ کریم کی اصطلاح میں اکثر وبیشتر فاسق کافر کو کہتے ہیں۔ چند مثالیں بطورِ ''مشتے نمونہ از خروارے'' درجِ ذیل ہیں:۔

قال الله تعالیٰ: ﴿ففسق عن أمر ربه﴾ وقال: ﴿وأما الذين فسقوا ففى النار﴾ وقال: ﴿إن الله لايهدى القوم الفاسقين﴾ وقال: ﴿أفمن كان مؤمناً كمن كان فاسقاً﴾ فكان الفاسق في اصطلاح القرآن هو الكافر، والفاسق بمعنى المؤمن العاصي اصطلاح حديث للفقهاء رحمهم الله تعالیٰ . نعم ورد فى بعض مواضع القرآن.

(۳) ووليد اعتمد عليه الشيخان وكان عمل الإمارة خمس سنين . اوران حضرات نے ولید پر فسق کا الزام نہیں لگایا۔

(۴) ولو أن المراد الوليد لقيل: يأأيها النبي إن جاءك فاسق بنبأ... کیونکہ بقولِ مفسرین حضرت ولید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت فرمائی کہ جن کے پاس آپ نے مجھے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا وہ تو میری جان کے درپے تھے۔

(۵) ووليد صحابي كيف يكون فاسقاً بالنص والصحابة كلهم عدول مبرؤون عن الفسق .

(۶) فتح مکہ کے موقع پر بچے تھے تو ایک دو سال میں اتنے بڑے ہو گئے، ابوداود شریف کی روایت سے بچہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (یہ جواب احتمال کے درجہ میں ہے)

لیکن اس پر چند اشکالات ہیں:

(الف) روایت پر کلام ہے جو ماقبل میں گزر چکا ہے۔

(ب) جب ان کی بہن نے مسلمان ہو کر ہجرت فرمائی تو ان کو واپس لانے کے لیے یہ اپنے بھائی کے ساتھ گئے تھے بہن کی واپسی کے لیے اتنے دور مدینہ منورہ چھوٹے بچے کو بھیجنا بعید ہے اگر چہ اس کی سند پر بھی کلام ہے جو ماقبل میں گزر چکا۔

(ج) ولید بن عقبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے

عہد میں بلادِ قضاعہ کے عامل رہے۔(طبری) معلوم ہوا کہ ان کی عمر بڑی تھی نیز حضرت عمرؓ نے بھی ان کو اہم عہدوں پر فائز فرمایا تھا ان قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ابوداؤد شریف کی روایت صحیح نہیں ہے۔اور ولید بن عقبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑے تھے۔

(۷) ولید خبر لانے سے قبل کہاں فاسق تھے؟ جب کہ اس سے پہلے ان سے کوئی فسق ثابت نہیں۔ بالفرض اگر پہلے سے فاسق ہوں تو کیا فاسق کو اتنا نازک عہدہ سپرد کرنا درست ہے؟

(۸) خطا اجتہادی میں کیسے فاسق ہوگئے؟ کیونکہ استقبال کنندہ کو دشمن سمجھنا اجتہادی خطا تھی۔

(۹) خبر لانے والے کے بارے میں روایات میں اضطراب ہے، جو ہم نقل کر چکے ہیں۔

اشکال: اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ روایات میں اضطراب اور ضعف ہے لیکن کثرتِ طرق کی وجہ سے اتنی بات واضح ہوجاتی ہے کہ آیتِ کریمہ کا شانِ نزول ولید بن عقبہ ہیں؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آیتِ کریمہ کے شانِ نزول میں ولید بن عقبہ مراد ہیں تو بھی اس کا مطلب یہ ہے کہ ولید بن عقبہ "یا أیها الذین آمنوا" کا مصداق ہیں فاسق کا مصداق شیطان خصلت آدمی ہے جس نے یہ فتنہ انگیز خبر پہنچائی اور اس حصہ میں اضطراب بھی نہیں ہے اور قرآن کریم کے سیاق وسباق کے ساتھ بھی

موافق ہے۔

(۱۰) اگر ولید مراد ہو تو آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کچھ شیطان قسم کے لوگوں نے آ کر ولید کو بتایا کہ قبیلہ کے لوگ آپ کے درپئے آزار ہیں تو حضرت ولید نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا۔(درمنثور)۔

(۱۱) اگر فاسق سے حضرت ولید مراد ہوں تو صحابہ کرامؓ کے بارے میں بعد والی آیت اس کے منافی ہوجائے گی: ﴿ولکن اللّٰه حبب إلیکم الإیمان وزینه في قلوبکم وکره إلیکم الکفر والفسوق والعصیان أولئک هم الراشدون﴾ اللہ تعالیٰ نے سب صحابہ کے لیے ایمان کو محبوب بنایا اور ان کے دلوں میں آراستہ کیا اور کفر و فسق اور معصیت کو ان کے لیے مبغوض بنایا یعنی صحابہ فاسق نہیں وہ فسق سے نفرت کرنے والے ہیں۔اس لیے حضرت ولید صحابیؓ نے جو فاسق شیطانی صفت آدمی کی خبر قبول کی وہ فسق سے محبت کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ خطا اجتہادی تھی۔

یہ مطلب لیا جائے تو "لـــکـــن" کا مطلب بھی واضح ہوجاتا ہے اس لیے کہ "لکن" کا مابعد اس کے ماقبل کے ساتھ منافی ہوتا ہے، نیز "لکن" ماقبل سے پیدا شدہ وہم کو دور کرنے کے لیے آتا ہے تو یہاں ماقبل میں فاسق کی خبر کو قبول کرنا فسق سے محبت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ صحابہ کے دلوں تو اللہ تعالیٰ ایمان کو سجایا اور فسق وکفر سے نفرت رکھی۔ یہ تو اجتہادی خطا تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے:

حضرت ولید بن عقبہ بالاتفاق صحابی ہیں، فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام

ہوئے۔ بڑے بہادر مجاہد، سخی اور شاعر تھے۔

ولید بن عقبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے نواسے اور حضرت عثمانؓ کے ماں شریک بھائی ہیں، حضرت عثمانؓ کے زیر تربیت رہ چکے ہیں، ڈھائی سال صحبتِ نبوی سے فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں:

وكان مع فسقه ـ والله يسامحه ـ سخياً ممدحاً شاعراً شجاعاً قائماً بأمر الجهاد . (سير اعلام النبلاء:۳/۴۱۵).

ہم کہتے ہیں فاسق وہ نہیں تھے ان تک غلط خبر پہنچانے والے فاسق تھے۔

ابن اثیر فرماتے ہیں: **وأقام عليها خمس سنين هو من أحب الناس إلى أهلها** . (الكامل:۳/۸۳، ذكر عزل سعد عن الكوفة وولاية الوليد).

دوسری جگہ فرماتے ہیں: **وأنه كان محبوباً إلى الناس فبقي كذلك خمس سنين وليس لداره باب** . (الكامل، ذكر عزل الوليد عن الكوفة وولاية سعيد).

ابن جریر طبری نے بھی یہی لکھا ہے۔ اور جب ان کو معزول کیا گیا تو مؤرخین نے لکھا ہے: **"ولقد تفجع عليه الأحرار والمماليك"** (تاريخ الامم والملوك: ۲/۶۱۲، ط: بيروت، ومختصر تاريخ مدينة دمشق:۸/۸۶). یعنی ان کی معزولی پر غلام اور آزاد سب مغموم تھے ولید کی جگہ حضرت عثمان نے سعید بن العاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا لیکن لوگ یہ کہتے رہتے تھے:

یا ویلتا عزل الولید ☆ وجاءنا مجوعاً سعید

ینقص فی الصاع ولا یزید ☆ فجوع الإماء والعبید

(تاريخ الامم والملوك:۲/۶۱۲، ط:بيروت، ومختصر تاريخ مدينة دمشق:۸/۸۶).

یعنی سعید بن العاص آئے اور ہمیں بھوکا مارا ہائے افسوس حضرت ولید معزول ہوئے۔

ہم مولانا بشیر احمد حصاری کی کتاب "عثمان ذوالنورین" (ص ۲۷۴) سے ان کے مناقب کا خلاصہ نقل کرتے ہیں:

"وہ حلیم الطبع وسیع الظرف بہادر سلیقے مند تھے، (استیعاب) وہ انتہائی سخی لوگوں میں محبوب پانچ سالہ گورنری میں ان کی محبوبیت میں فرق نہیں آیا، ایک مرتبہ شعبی ولید بن عقبہ کے پوتے کے پاس بیٹھے تھے تو محمد نے مسلمہ بن عبدالملک کی بہادری کا ذکر کیا جو بنوامیہ کے مشہور فاتح اور سپہ سالار تھے تو شعبیؒ نے کہا اگر آپ ولید بن عقبہ کی حکمرانی اور جہاد کا مشاہدہ کرتے تو کسی اور کا تذکرہ نہ کرتے یہاں تک کہ ان کو ان کے منصب سے برطرف کیا گیا۔

درجِ ذیل کتب میں ان کا ترجمہ و تذکرہ ملاحظہ فرمائیں:

(الاصابة فی تمیز الصحابة:۶/۴۸۱/۹۱۶۷، ومعجم الصحابة لابن قانع البغدادی:۱۴/ترجمة:۱۱۵۴، ومعرفة الصحابة لأبي نعيم الاصبهانی:۴/۳۶۸/۲۹۶۱، وتهذيب الكمال للإمام المزی: ۳۱/۵۳/۶۷۲۳، ومسند احمد، والاستيعاب :۴/۱۵۵۲، وتاريخ ابن عساكر: ۱۷/۴۳۴، وسير اعلام النبلاء :۳/۴۱۲، وتاريخ مدينة دمشق، وتاريخ الامم والملوك، وغيرها من كتب التاريخ والأخبار والأدب). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۱۲) ایک حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ خلافت کو کیا ہو گیا کہ ایسے لوگوں میں چلی گئی جو قریش میں سب

سے قلیل اورادنی درجہ کے ہیں؛یعنی ابوبکرؓ،خدا کی قسم اگرمیں چاہوں توان کے خلاف فوج تیارکرلوں...الخ . حدیث کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

عن أبي الشعثاء الكندي عن مرة الطيب قال: جاء أبو سفيان بن حرب رضي الله عنه إلى علي بن أبي طالب رضي الله عنه فقال: ما بال هذا الأمر في أقل قريش قلة وأذلها ذلة يعنى أبابكر والله لئن شئت لأملأنها عليه خيلاً ورجالاً فقال علي: لطالما عاديت الإسلام وأهله يا أباسفيان، فلم يضره شيئاً إنا وجدنا أبابكر لها أهلاً .

یہ روایت مستدرک حاکم میں (۳/۸۳/۴۴۶۲) پراورفضائل الخلفاء لابی نعیم میں (رقم ۱۹۲) پر ہے،لیکن اس کی سند میں ابوالشعثاء یزید بن مہاصر(فتح الباب فی الکنی والالقاب میں ''المہاجر'' ہے) الکندی الکوفی مجہول راوی ہے ،امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں(۸/۳۸۳)پراورابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں (۹/۲۸۷) پراس کا تذکرہ کیاہےلیکن کوئی جرح یاتعدیل مذکورنہیں۔

نیز ابوالشعثاء نامی چندافراد ہیں جن میں (۱) سلیم بن اسودالمحاربی الکوفی ثقہ اور بخاری کے راوی ہیں۔(۲) جابر بن زید تابعی ازدی بصری ابوالشعثاء،یہ بھی بخاری کے راوی ہیں اورثقہ ہیں ۔(۳)علی بن حسن بن سلیمان حضرمی واسطی بصری ابوالشعثاء یہ مسلم کے راوی ہیں ۔(۴) یزید بن مہاصر کندی کوفی یہ غیرمعروف ہے، امام بخاری اورامام ابن ابی حاتم نے اس کا تذکرہ کیاہےلیکن مجہول الحال ہے ۔اوربھی چند ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتح الباب فی الکنی والالقاب :۱/۴۲۰،وتہذیب الاسماء۷/۲۶۲، وسیر اعلام النبلاء:۴/۴۸۱،وتہذیب الکمال:۱۱/۳۴۰)۔

دوسری روایت مصنف عبدالرزاق میں (۵/۴۵۱) پراورتاریخ طبری میں (۳/۲۰۹) پراورالاستیعاب میں (۴/۱۶۷۹) پر ہے،اس کی سند میں ابن ابجر تبع تابعی ہے اس نے صحابہ کونہیں پایااس لیے یہ روایت منقطع ہے۔

تیسری روایت تاریخ دمشق میں (۲۳/۴۶۴) پر ہےاوراس کی سند میں زیاد بن عبدالرحمٰن ابوالخصیب مجہول ہے۔(میزان الاعتدال:۲/۹۲)۔

چوتھی روایت انساب الاشراف میں (۱/۵۸۸) پر ہے، اس کی سند میں واقدی متروک راوی ہے۔(میزان الاعتدال:۳/۶۶۵)۔

پانچویں روایت بلاذری کی انساب الاشراف میں (۱/۵۸۸) پر مذکور ہے،اس کی سند میں ربیع بن صبیح کا شیخ مجہول ہے۔ صحابی جلیل کی سیرت اس کی طرح کی ضعیف روایات سے مخدوش ومجروح نہیں ہوسکتی۔

حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدرصحابی اورجرنیل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں یہ اعلان فرمایاتھا:''**من دخل دار أبي سفيان فهو آمن** '' جوحضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہوجائے اس کوہماری جانب سے امان ہے،ان کی ایک آنکھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں غزوۂ طائف میں شہید ہوئی تھی اوردوسری آنکھ جنگِ یرموک میں، جنگِ یرموک میں سب آوازیں خاموش تھیں اورایک آواز بلند ہورہی تھی کہ اے اللہ کی مددقریب آجاؤ! یہ آواز لگانے والے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے،اس جہاد کا جھنڈاان کے بیٹے یزید بن ابی سفیان کے پاس تھا۔(الاصابہ:۳/۳۳۴)۔

تنبیہ : بعض حضرات کوراوی کے بارے میں کچھ مغالطہ ہوا ہے اوراس روایت کو صحیح کہا ہے، چنانچہ بعض نے ابوالشعثاء کی توثیق کی ہے اور بخاری کا راوی تسلیم کرلیا ہے جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہے دونوں میں فرق ہے اور بعض نے عبدالرزاق وطبری کی سند میں ابن ابجر کو ابن الحر جو کبار تابعین میں سے ہے کہہ کر صحیح قرار دیا ہے حالانکہ یہ وہم ہے۔ (تاریخ طبری:۲/ ۲۳۷، ط: دارالکتب العلمیۃ)۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (المقتنی فی سرد الکنی : ۱/ ۳۰۵، للامام الذهبی، وتبصیر المنتبه بتحریر المشتبه: ۴/ ۱۳۲۶ ، والكنى والأسماء لمسلم : ۸/ ۴/ ۱۶۰۰ ، وتهذیب الأسماء ، جلد ۱ ، ۴و۷، وفتح الباب فی الكنى والألقاب : ۱/ ۴۲۰). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۱۳) مال کے سلسلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

پہلا اعتراض: مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب وسنت کی رو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم کیے جانے چاہییں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو ،لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لیے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ (خلافت وملوکیت: ۱۷۴)۔

الجواب: مذکورہ بالا واقعہ سے متعلق جتنی روایات ہیں ان سب پر کلام ہے، بنابریں ضعیف روایات کا سہارا لے کر صحابی جلیل پر الزام لگانا صریح بے انصافی اور علمی خیانت ہے۔ روایات کی تحقیق حسبِ ذیل ملاحظہ کیجیے:

(۱) قال ابن سعد: أخبرنا إسحاق بن يوسف الأزرق قال حدثنا هشام بن حسان (مدلس) **عن الحسن أن زياداً بعث الحكم بن عمرو على خراسان ففتح الله عليهم وأصابوا أموالا عظيمة فكتب إليه زياد أما بعد فإن أمير المؤمنين كتب إلي أن أصطفي له الصفراء والبيضاء فلا تقسم بين الناس ذهباً ولا فضةً.** (الطبقات الكبرى:۷/ ۲۸).

(۲) قال ابن عبد البر: حدثنا أحمد حدثنا أبي حدثنا عبد الله حدثنا بقي حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا ابن علية عن هشام (مدلس) **عن الحسن قال كتب زياد الحكم بن عمرو الغفاري وهو على خراسان أن أمير المؤمنين كتب إلي أن أصطفي له الصفراء والبيضاء فلا تقسم بين الناس ذهباً ولا فضةً.** (الإستيعاب: ۱/ ۱۰۵).

(۳) قال الحاكم: فحدثني أبوبكر بن بالويه ثنا محمد بن أحمد بن النضر ثنا معاوية بن عمرو عن أبي إسحاق الفزاري عن هشام (مدلس) **عن الحسن قال: بعث زياد الحكم بن عمرو الغفاري على خراسان فأصابوا غنائم كثيرة، فكتب إليه أما بعد فإن أمير المؤمنين كتب أن يصطفى له البيضاء والصفراء ولا تقسم بين المسلمين ذهباً**

ولا فضةً. (المستدرک علی الصحیحین:٣/٥٠٠).

ان روایات میں ہشام بن حسان مدلس ہیں اورانہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی،لہذا یہ روایات قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔

(٤) قال ابن جرير الطبري: حدثني عمر قال حاتم بن قبيصة(مجهول) **قال حدثنا غالب ابن سليمان عن عبد الرحمن بن صبح قال كتب إليه زياد: والله لئن بقيت منك طابقاً سحتاً وذلك أن زياداً كتب إليه لما ورد بالخبر عليه بما غنم: أن أمير المؤمنين كتب إلي أن أصطفي له صفراء وبيضاء والروائع فلا تحركن شيئاً حتى تخرج ذلك.** (تاريخ الطبري: ٥/ ٢٥١).

اس کی سند میں حاتم بن قبیصہ مجہول ہیں اورابن جریرطبری پرتشیع کاالزام ہے۔

(٥) وكان زياد قد كتب إليه (حكم بن عمرو الغفاري) إن أمير المؤمنين أمرني أن أصطفي له الصفراء والبيضاء فلا تقسم بين الناس ذهباً ولا فضةً. (الكامل في التاريخ: ٢/ ١٣٠).

(٦) وفي هذه السنة غزا الحكم بن عمرو (نائب زياد على الخراسان) جبل الأسل عن أمر زياد فقتل منهم خلقاً كثيراً وغنم أموالاً جمة، فكتب إليه زياد: إن أمير المؤمنين قد جاء كتابه أن يصطفى له كل صفراء وبيضاء يعني الذهب والفضة يجمع كله من هذه الغنيمة لبيت المال. (البداية والنهاية ٨/٣٢، ط: دار احياء التراث العربى).

ان تمام اسانید پرکلام ہے لہذاایک ایسے واقعہ کوبنیاد بناکرایک عظیم صحابیٔ رسول

پر خیانت کا الزام لگانا صریح بے انصافی ہے۔(مستفاد از: حضرت امیر معاویہؓ اور تاریخی روایات:٦٤)۔

نیز اس واقعہ کے پانچ حوالے دیے گئے جن میں چار مجمل ہیں اور ایک مفصل ہے، یعنی اس میں یہ مذکور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونا چاندی بیت المال کے لیے منگوایا ہے لہذا سب کو اس مفصل روایت پر محمول کیا جائیگا۔(مستفاداز حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق:٢٠١)۔

اوراس کی سند پر کلام ہونے کے باوجود اگر اس روایت کو ثابت تسلیم کرلیا جائے تو کچھ پتا نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے واقعۃً اس مضمون کا خط لکھا بھی تھا یا نہیں؟ اور اگر لکھا تھا تو اس کے الفاظ کیا تھے؟ اوران کا واقعی منشا کیا تھا؟ ان تمام باتوں کا احتمال ہے۔

پھرزیاد نے ان کے الفاظ روایت بالمعنی کے طور پر ذکر کیے ہیں جس میں ردوبدل کی بہت کچھ گنجائش ہے اوراگر فرض کرلیا جائے کہ زیاد نے کسی بددیانتی اورغلط فہمی کے بغیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط من وعن نقل کیا ہو تب بھی عین ممکن ہے کہ اس وقت بیت المال میں سونے چاندی کی کمی ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اندازہ یا کسی اطلاع کی بنا پر یہ سمجھے ہوں کہ جبل الاسل کے جہاد میں جو سونا چاندی ہاتھ آیا ہے وہ کل مال غنیمت کے پانچویں حصے سے زائد نہیں ہے اس لیے انہوں نے بیت المال کی کمی کو پورا کرنے کے لیے یہ حکم جاری فرمایا ہو کہ مال غنیمت میں سے جو پانچواں حصہ بیت المال کے لیے بھیجا جائے گا اس میں دیگر اشیا کے بجائے صرف سونا چاندی ہی بھیجا جائے۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق،ص:٣١)۔

دوسرا اعتراض: دیت کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت کو

بدل دیا،سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی،مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کونصف کر دیا اور باقی نصف خود لینی شروع کر دی۔(خلافت وملوکیت ۱۷۳،۱۷۴)۔

الجواب: امام زہریؒ کا یہ قول یہاں اختصار اور اجمال کے ساتھ بیان ہوا ہے ،اس کی پوری تفصیل امام بیہقیؒ نے اپنی سنن کبریٰ میں روایت کی ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آدھی دیت مقتول کے ورثاء کو دیتے تھے اور باقی نصف بیت المال میں داخل کر دیتے تھے،لہذا آدھی دیت کو اپنے ذاتی استعمال میں لانے کا کوئی سوال نہیں۔(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق،ص۱۹۳)۔

نیز معاہد کی دیت میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے،ایک قول یہ ہے کہ اس کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ملاحظہ ہو:

قال الإمام الترمذيؒ: حدثنا عيسى بن أحمد حدثنا ابن وهب عن أسامة بن زيد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يقتل مسلم بكافر. وبهذا الإسناد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: دية عقل الكافر نصف عقل المؤمن . قال أبو عيسىٰ: حديث عبد الله بن عمرو في هذا الباب حديث حسن.

واختلف أهل العلم في دية اليهودي والنصراني :

(١) فذهب بعض أهل العلم إلى ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم .

(٢) وقال عمر بن عبد العزيز: دية اليهودي والنصراني نصف

دية المسلم، وبهذا يقول أحمد بن حنبل .

(٣) وروي عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: دية اليهودي والنصراني أربعة آلاف ودية المجوسي ثمانمائة. وبهذا يقول مالك بن أنسؒ والشافعيؒ وإسحاقؒ .

(٤) وقال بعض أهل العلم: دية اليهودي والنصراني مثل دية المسلم.وهو قول سفيان الثوري وأهل الكوفة. (سنن الترمذي ، باب ما جاء في دية الكفار،رقم: ١٤١٣).

قال العلامة ابن رشد القرطبي في بداية المجتهد (١٩٦/٤) **أما دية أهل الذمة إذا قتلوا خطأ فإن للعلماء في ذلك ثلاثة أقوال :**

(١) أحدها أن ديتهم على النصف من دية المسلم. ذكر أنهم على النصف من ذكران المسلمين ونساؤهم على النصف من نسائهم. وبه قال مالكؒ وعمر بن عبد العزيزؒ . و على هذا تكون دية جراحهم على النصف من دية المسلمين .

(٢) والقول الثاني أن ديتهم ثلث دية المسلم. وبه قال الشافعيؒ وهو مروي عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه وعثمان بن عفان رضي الله عنه وقال به جماعة من التابعين.

(٣) والقول الثالث أن ديتهم مثل دية المسلمين وبه قال أبو حنيفةؒ والثوريؒ . وجماعة وهو مروي عن ابن مسعود رضي الله عنه وقد روي عن عمر رضي الله عنه وعثمان رضي الله عنه وقال به جماعة من التابيعين.

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مال اور معاملات کی صفائی اور عمدگی کے شواہد:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان ایام میں جن میں یہ واقعات پیش آئے اکابر صحابہ کی ایک خاصی جماعت موجود تھی۔مثلاً عبداللہ بن عمر،عبداللہ بن عباس،مسور بن مخرمہ،زید بن ثابت، سائب بن یزید،عقیل بن ابی طالب،حسین بن علی، ابو ہریرہ، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم۔

ان حضرات میں سے کسی بزرگ نے ان اموال کی تقسیم کے معاملہ میں کوئی اعتراض نہیں کھڑا کیا،حالانکہ یہ حضرات خلافِ شرع معاملہ پائے جانے پر خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے اور شرعی قواعد کی صریح خلاف ورزی کی تائید کرنے والے نہیں تھے۔اور اس پر مستزاد یہ بات ہے کہ بیت المال سے اس دور میں ان تمام حضرات کو درجہ بدرجہ وظائف اور عطایا جاری ہوتے تھے۔بیت المال کے اموال میں اگر شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی پائی گئی تھی تو ان حضرات نے اعتراض کیوں نہیں کیا؟ اور وہاں سے اموال حاصل کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا؟ (سیرتِ حضرت امیر معاویہؓ، ص ٦٩٤)۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان فرق:

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں فرق یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے بیت المال سے بقدرِ ضرورت لیتے تھے اور تنگی کی زندگی بسر فرماتے تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے رخصت پر عمل کیا اور ملکِ شام میں مسلمانوں کی شان وشوکت کو دوبالا کرنے کے لیے اپنی زندگی کے معیار کو کچھ بلند فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تنخواہ کا معیار:

أخرج محمد بن سعد في طبقات الكبرى قال: أخبرنا مسلم بن إبراهيم قال أخبرنا هشام الدستوائي قال أخبرنا عطاء بن السائب قال: لما استخلف أبوبكر أصبح غادياً إلى السوق وعلى رقبته أثواب يتجر بها فلقيه عمر بن الخطاب وأبو عبيدة بن الجراح فقالا له: أين تريد يا خليفة رسول اللّه ؟ قال: السوق، قالا: تصنع ما ذا وقد وليت أمر المسلمين؟ قال : فمن أين أطعم عيالي ؟ قالا له : انطلق حتى نفرض لک شيئاً فانطلق معهما ففرضوا له كل يوم شطر شاة وما كسوه في الرأس والبطن. (الطبقات الكبرى:٣/١٨٤).

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بوقتِ انتقال بیت المال کا مال واپس فرمادیا:

جب آپ کا انتقال کا وقت آیا تو آپ نے جتنا بیت المال سے لیا تھا اس کو واپس کرنے کا حکم فرمایا:

وقالت عائشةؓ: قال أبو بكر: انظروا ماذا زاد في مالي منذ دخلت في الإمارة فابعثوا به إلى الخليفة بعدي فنظرنا فإذا عبد نوبي كان يحمل صبيانه ، وإذا ناضح كان يسقي بستاناً له، فبعثنا بهما إلى عمر فبكى عمر رضی اللہ عنہ وقال رحمة اللّه على أبي بكر لقد أتعب من بعده تعباً شديداً. (أبو بكر الصديقؓ شخصيته وعصره للدكتور الصلابي،ص ٣٩٥).

فقال أبوبكر رضي الله عنه أما إنا ولينا أمر المسلمين لم نأكل لهم ديناراً ولا درهماً ولكنا قد أكلنا من جريش طعامهم في بطوننا ولبسنا من خشن ثيابهم على ظهورنا وليس عندنا من فيء المسلمين قليل ولا كثير إلا هذا العبد الحبشي وهذا البعير الناضح وجرد هذه القطيفة فإذا مت فابعثي بهن إلى عمر وأبرئي منهن ففعلت، فلما جاء الرسول إلى عمر رضي الله عنه بكى حتى جعلت دموعه تسيل في الأرض ويقول: رحم الله أبا بكر رضي الله عنه لقد أتعب من بعده، يا غلام ارفعهن. (طبقات الكبرى لابن سعد ٣/١٩٦).

قال ابن سعد أخبرنا يزيد بن هارون قال أخبرنا ابن عون عن محمد قال توفي أبوبكر الصديق رضي الله عنه وعليه ستة آلاف كان أخذها من بيت المال فلما حضرته الوفاة قال إن عمر رضي الله عنه لم يدعني حتى أصبت من بيت المال ستة آلاف درهم وإن حائطي الذي بمكان كذا وكذا فيها، فلما توفي ذكر ذلك لعمر رضي الله عنه فقال: يرحم الله أبا بكر رضي الله عنه لقد أحب أن لا يدع لأحد بعده مقالاً وأنا والي الأمر من بعده وقد رددتها عليكم. (الطبقات الكبرى: ٣/١٩٣).

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا معیار مصلحت کی وجہ سے پہلے خلفاء سے کچھ بلند تھا:

قال أبو الحسن المدائني: كان عمر رضي الله عنه إذا نظر إلى معاوية قال:

هذا كسرى العرب. (تاريخ الإسلام للحافظ الذهبي ٢/٤٧).

وقال ابن أبي الدنيا: حدثني محمد بن قدامة الجوهري حدثني عبد العزيز بن يحيى عن شيخ (مجهول) له قال: لما قدم عمر بن الخطاب رضي الله عنه الشام تلقاه معاوية رضي الله عنه في موكب عظيم، فلما دنا من عمر رضي الله عنه قال له: أنت صاحب الموكب؟ قال: نعم يا أمير المؤمنين. قال: هذا حالك مع ما بلغني من طول وقوف ذوي الحاجات ببابك؟ قال: هو ما بلغ من ذلك. قال: ولم تفعل هذا؟ لقد هممت أن آمرك بالمشي حافياً إلى بلاد الحجاز، قال: يا أمير المؤمنين إنا بأرض جواسيس العدو فيها كثيرة، **فيجب أن نظهر من عز السلطان ما يكون فيه عز للإسلام وأهله ويرهبهم به**، فإن أمرتني فعلت، وإن نهيتني انتهيت. فقال له عمر رضي الله عنه: يا معاوية ما سألتك عن شيء إلا تركتني في مثل رواجب الضرس، لئن كان ما قلت حقاً إنه لرأي أريت، ولئن كان باطلاً إنه لخديعة أديت. قال: فمرني يا أمير المؤمنين بما شئت، قال: لا آمرك ولا أنهاك. فقال رجل (عبد الرحمن بن عوف): يا أمير المؤمنين ما أحسن ما صدر الفتى عما أوردته فيه! فقال عمر: لحسن موارده ومصادره جشمناه ما جشمناه. (البداية والنهاية: ٨/١٢٥).

اس کی سند میں شیخ مجہول ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سادگی کے متعلق روایات ملاحظہ کیجیے:

یونس بن میسرہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازاروں میں دیکھا، آپ کے بدن پر پیوند لگی ہوئی قمیص تھی اور آپ دمشق کے بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق، ص ٣١٩، بحوالہ البدایہ والنہایہ: ١٣٤/٨)۔

اسی طرح ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ٣١٩، بحوالہ البدایہ والنہایہ ١٣٥/٨)۔

یہ آپ کی طبعی سادگی اور استغنا کی شان تھی مگر شام کی گورنری کے دوران آپ رضی اللہ عنہ نے ظاہری شان و شوکت کے طریقے بھی اختیار کیے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ سرحدی علاقہ تھا اور آپ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی شان و شوکت کا دبدبہ قائم رہے۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ٣٢٠)۔

نصف مال بیت المال میں جمع کرانے کی وصیت:

وفات سے پہلے آپ نے وصیت کی کہ آپ کے نصف مال کو بیت المال میں لوٹا دیا جائے۔

وقال محمد بن سعد أنا علي بن محمد عن محمد بن الحكم عمن حدثه أن معاوية لما احتضر أوصى بنصف ماله أن يرد إلى بيت المال، كأنه أراد أن يطيب له ؛ لأن عمر بن الخطاب قاسم عماله.
(البداية والنهاية ١٤١/٨).

شیخ ابوالحسن احمد بن یحیی البلاذری نے ''انساب الاشراف'' میں اس روایت کو نقل کیا ہے اور مبہم راوی کی وضاحت بھی فرما دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

المدائني عن محمد بن الحكم عن أبيه أن معاوية رضي الله عنه أوصى بنصف ماله أن يرد إلى بيت المال، كأنه أراد أن يطيب له الباقي لأن عمر رضي الله عنه قاسم عماله. (أنساب الأشراف: ٨٥/٢، تحت ترجمة معاوية بن أبي سفيان رضي الله عنه).

(وكذا في صحيح تاريخ الطبرى، الخلافة في عهد الأمويين، للامام أبوجعفر محمد بن جرير الطبرى (٢٢٤-٣١٠هـ) ٣٩/٤، ط: دارابن كثير دمشق، بيروت).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چند مشہور ضعیف احادیث کی تحقیق جن پر مسلسل عمل در آمد ہے:

(۱)

۱۵ شعبان کے روزہ کے متعلق حدیث کی تحقیق:

۱۵ شعبان کا روزہ رکھنا مستحب ہے، اور حدیث سے ثابت ہے اگرچہ حدیث ضعیف ہے، لیکن فضائل میں بلا اعتقادِ سنت عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرائط کی تفصیلات ماقبل میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفرله، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه ألا كذا، ألا كذا حتى يطلع الفجر. (رواہ ابن ماجۃ:ص۹۹، باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان۔ والبیھقی فی شعب الایمان:۳/۳۷۸/۳۸۲۲،ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان).

پورے ذخیرۂ احادیث میں صرف ایک حدیث موجود ہے جس سے ۱۵ شعبان کے روزہ کا پتہ چلتا ہے، لیکن اس حدیث پر محدثین نے بہت کچھ کلام فرمایا ہے، مستقل رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں اس کے باوجود اس کو موضوع نہیں کہا جاسکتا۔

ملاحظہ فرمائیں محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی فرماتے ہیں:

پندرھویں شعبان کے روزے کے بارے میں جو حدیث ابن ماجہ میں آئی ہے وہ موضوع نہیں ہے کسی ماہر حدیث نے اس کو موضوع نہیں کہا ہے، ''تحفۃ الاحوذی'' کی عبارت سے اس حدیث کے موضوع ہونے پر استدلال کرنا جہالت ہے، اس حدیث کے راویوں میں ابوبکر بن ابی سبرہ ضرور ہے اور اس کی نسبت بیشک یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حدیثیں بناتا تھا، لیکن اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زیر بحث حدیث اس کی بنائی ہوئی ہے اور موضوع ہے، محض اس بنا پر کہ سند میں ایسا کوئی راوی موجود ہے جو حدیثیں بناتا تھا کسی حدیث کو موضوع کہہ دینا جائز نہیں ہے، اس سے تو بس اتنا لازم آئے گا کہ حدیث سنداً ضعیف ہے، یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے سنن ابن ماجہ کی احادیثِ موضوعہ کی نشاندہی کی ہے ان میں اس حدیث کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

اصولِ حدیث وغیرہ کی کتابوں میں جگہ جگہ یہ تصریح ملتی ہے کہ کسی حدیث کی سند میں کوئی کذاب یا وضاع راوی پایا جائے تو محض اتنے سے وہ حدیث موضوع نہیں ہوجائے گی، جب تک کہ کوئی دوسری دلیل اس کے موضوع ہونے پر دلالت نہ کرے۔

مثال کے طور پر ''فتح المغیث'' ملاحظہ کیا جائے۔ امام سخاویؒ لکھتے ہیں:

هذا مع أن مجرد تفرد الكذاب بل الوضاع، ولو كان بعد الاستقصاء في التفتيش من حافظ متبحر تام الاستقراء، غير مستلزم

لذلک بل لا بد معه من انضمام شيء مما سيأتي. (فتح المغيث: ١/ ٢٥١)

یعنی محض کسی کذاب یا وضاع کا تفرد حدیث کے موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے اگر چہ یہ تفرد کسی ایسے شخص کی تفتیش واستقصاء کے بعد سامنے آئے جو کہ حافظ حدیث اور فن میں متبحر اور تام الاستقصاء ہو بلکہ اس کے ساتھ ان چیزوں میں کسی اور چیز کا پایا جانا بھی ضروری ہے جس کا تذکرہ آ رہا ہے۔

اسی طرح راوی کو "منکر الحدیث" اور حدیث کو بھی "منکر" کہا گیا ہو، تب بھی اس کو موضوع کہنا جائز نہیں ہے، حدیث "لاتقولوا سورة البقرة" کو امام احمدؒ نے منکر اور اس کے راوی عبیس کو منکر الحدیث کہا ہے، اس بنا پر ابن الجوزیؒ نے اس حدیث کو موضوعات میں داخل کر دیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس پر سخت اعتراض کیا ہے، فرماتے ہیں: **أفرط ابن الجوزي في إيراد هذا الحديث في الموضوعات ولم يذكر مستنده إلا قول أحمد وتضعيف عبيس وهذا لايقتضي الوضع .**
(اللآلي المصنوعة: ١/ ٢٣٩)

ابن الجوزیؒ نے اس حدیث کو موضوعات میں شامل کر کے افراط وغلو سے کام لیا ہے، جب کہ ان کے پاس سند میں صرف امام احمد کا قول اور عبیس کی تضعیف ہے اور یہ وضع کی مقتضی نہیں ہے۔

سطورِ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جس شخص نے یہ بات کہی ہے کہ روایتِ فضیلتِ صومِ شعبان میں ابوبکر بن عبداللہ راوی واضع الحدیث تھا، اس لیے یہ روایت موضوع ٹھہری بالکل غلط ہے، ایسی جہالت کی بات عالم نہیں کہہ سکتا، (اس کے بعد تحفۃ الاحوذی کی عبارت مع روایت ونقد اور پھر مولانا مبارک پوری کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد

فرماتے ہیں)

دیکھیے مولانا مبارک پوری نے ابن ماجہ کی حدیث نقل کر کے اس کے راوی پر جو جرح کی ہے اس کو بھی نقل کرتے ہیں اس کے باوجود اس کے راوی کو دوسری حدیثوں کے ساتھ ملا کر حجت بھی قرار دیتے ہیں، کیا موضوع حدیث کو بھی دوسری حدیث کے ساتھ ملا کر حجت بنایا جا سکتا ہے۔ یہ بات کوئی عالم نہیں کہہ سکتا۔

امام سخاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ ابن جوزیؒ کے یہاں موضوعات میں کثرت و وسعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس کے لیے راوی کے حق میں وضع کے التزام کو کافی سمجھ لیا حالانکہ بسا اوقات روایت کے دوسرے طرق بھی ہوتے ہیں اور صرف یہ بات کافی بھی نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مشہور محدث عبدالعظیم منذریؒ (صاحبِ ترغیب وترہیب) نے اپنی معروف ومتداول کتاب میں ایسے بہت سے حضرات کی روایات ذکر کی ہیں کہ جن پر شدید نقد ہے وضع وکذب وغیرہ کی بات بھی ہے مگر وہ روایات اس قسم کے لوگوں کی بھی لائے ہیں، جس کی انہوں نے خود مقدمہ میں صراحت کر دی ہے البتہ انہوں نے ایسی روایات کے ذکر میں دوسری روایات کے مقابلہ میں فرق کیا ہے، اور وہ یوں کہ ایسی روایات کو وہ لفظ "روی" سے ذکر کرتے ہیں جبکہ دیگر روایات کو وہ لفظ "عن" سے ذکر کرتے ہیں اور یہ بھی صراحت کی ہے:

أضربت عن ذكر ما قيل فيه من الأحاديث المتحققة للوضع".
(مقدمه الترغيب).

جن احادیث کو یقینی اور تحقیقی طور پر موضوع کہا گیا ہے میں نے ان کو ذکر

کرنے سے اعراض کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: ایسے شدید مجروح راویوں کی روایت کو میں لفظ ''روی'' سے ذکر کرتا ہوں اور اس کی مصلحت بھی ذکر کی ہے:

صورته بلفظ روى ولا أذكر ذلك الراوى ولا ما قيل فيه البتة فيكون للإسناد الضعيف دلالتان: تصدير بلفظ روى وإهمال الكلام في آخره . (الترغيب: ۱/۳۷)

یعنی ایسی روایات کو لفظ روی سے ذکر کرتا ہوں نیز یہ کہ ایسے راوی اور اس کے حال کا ذکر نہیں کرتا، اس طرح ایسی حدیث کے ضعیف ہونے کی دو دلیلیں جمع کر دیا کرتا ہوں: ایک تو لفظ روی سے اس کو ذکر کرنا، اور دوسرے راوی و روایت کے حق میں کلام کو چھوڑ دیا ہے۔

اور جلال الدین سیوطیؒ سے حافظ منذریؒ کی تصانیف کے متعلق نقل کیا گیا ہے:

إذا علمتم بالحديث أنه في تصانيف المنذري صاحب الترغيب والترهيب فأوردوه مطمئنين . (الرحمة المرسلة فى شان حديث البسملة ،ص ۱۵)

یعنی جب تم کو یہ معلوم ہو کہ فلاں حدیث منذری صاحبِ ترغیب وترہیب کی کتابوں میں آئی ہے، تو اس کو مطمئن ہو کر روایت کیا کرو، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ سیوطی کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

يعنى بالاطمينان إلى تصانيف الحافظ المنذرى أنه لا يروى فيها حديثاً موضوعاً، إمام الحديث الضعيف فإنه يرويه و يكثر منه .الخ. (تعليقات الاجوبة الفاضلة،ص ۱۲۱)

حافظ منذری کی کتابوں پر اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں کوئی موضوع حدیث نہیں ذکر کیا کرتے ہاں، حدیث ضعیف کی روایت کرتے ہیں، اور بکثرت مگر اس پر تنبیہ واشارہ کر دیا کرتے ہیں۔

منذریؒ کے علاوہ امام نوویؒ کا معاملہ بھی یہی ہے جیسا کہ سیوطیؒ سے ان کے حق میں بھی نقل کیا گیا ہے، بلکہ وہ ضعیف روایات بھی بہت کم نقل کرتے ہیں ''الاذکار'' میں انہوں نے ضرور وسعت برتی ہے جیسے کہ ''ریاض الصالحین'' میں کچھ آ گئی ہیں جن کی طرف بظاہر ان کی وجہ توجہ نہیں ہو سکتی۔ (تعلیقات الاجوبۃ الفاضلۃ ص۱۲۲،۱۲۳)

بہر حال ائمہ فن نے محض کسی وضاع وکذاب کے سند میں آ جانے پر حدیث کو موضوع نہیں گردانا اور نہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا بلکہ اس کو ضعیف کا درجہ دے کر اعتبار کیا عمل کے لیے پیش کیا الا یہ کہ کسی دلیل سے وضع کا ثبوت مل جائے ۔ (مجلّہ المآثر ص۶۹-۷۴، ۱۹۹۵ء)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

المرغوبات من الصيام أنواع أولها صوم المحرم، والثاني صوم رجب، والثالث صوم شعبان... (الفتاوى الهندية: ۱/۲۰۲).

ملاعلی قاریؒ نے مرقات اور مجموع رسائل میں اس روزہ کو موجب خیر وبرکت فرمایا ہے: **إنه شهر (شعبان) ترفع فيه الأعمال وأحب أن يرفع عملي وأنا صائم...والذي يلوح لي الآن أن ليلة النصف هي التي تعرض فيها أعمال السنة الماضية كما أنها تكتب فيها جميع ما يقع في السنة الآتية ولذا قال: قوموا ليلها وصوموا نهارها.** (مرقاة المفاتيح :۴/۲۹۹،باب صيام

التطوع،مكتبه امداديه).

مجموع رسائل میں ہے: **أن الكتابة قد تستوعب في جميع أيام شعبان، والأخبار والآثار الواردة ظاهرة في أنه مختص بليلة النصف، و لعلها زمان كتابة الأكثر، ثم صيام النهار مورث للبركة في الليلة .**

(مجموع رسائل العلامة الملا على القاري:۳/۴۴، ۴۵، دار اللباب).

تنبیہ: جس روایت میں لیلۃ نصف شعبان میں ہر مولود اور ہر ایک انتقال کرنے والے کی کتابت کا ذکر ہے وہ روایت بیہقی نے فضائل الاوقات میں ذکر فرمائی ہے اور مشکوٰۃ شریف میں بھی مذکور ہے اس کی سند میں نضر بن کثیر ضعیف ہے بلکہ ابن حبان نے یروی الموضوعات عن الثقات کہا ہے۔ راجع: (تعلیق خطبات الاحکام،ص۱۴۳).

نیز ہر مہینہ کے تین دن یعنی ایام بیض کے بارے میں صحیح روایات موجود ہیں ان کی وجہ سے بھی پندرھویں شعبان کا روزہ مستحب قرار دیا جائے گا۔

علامہ شرنبلالیؒ نے مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے کہ ہر وہ روزہ جو شریعت میں مطلوب ہو اور اس پر ثواب کا وعدہ ہو وہ بھی مستحب ہوتا ہے، اور چونکہ پندرھویں شعبان کے روزہ کے بارے میں روایت موجود ہے لہذا مستحب ہوگا۔

ملاحظہ فرمائیں مراقی الفلاح میں ہے:

ومنه (المندوبات) كل صوم ثبت طلبه والوعد عليه بالسنة الشريفة .

(مراقي الفلاح: ص ۲۳۰، بيروت) ـ

شیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی نے "الفقہ الحنفی وادلتہ" میں سنن ونوافل کے روزوں کے تحت پندرہ شعبان کے روزے کو ذکر فرمایا ہے۔(۱/۳۸۲)۔

قاضی ومفتی بغداد علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں مذکورِ حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک بھی موضوع نہیں ہے۔(روح المعانی:۲۵/۱۱۱)۔

پندرہ شعبان کے روزے کے استحباب پر اکابر علما کی تصریحات:

ہمارے اکابر علماء نے بھی پندرہ شعبان کے روزے کو مستحبات میں شمار فرمایا ہے۔ چنانچہ چند حضرات کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

(۱) حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ مفتی اعظم ہند نے بھی اس روزہ کو مستحبات میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تعلیم الاسلام میں فرماتے ہیں:

سوال: مستحب کون سے روزے ہیں؟

جواب: فرض اور واجب اور سنت روزوں کے بعد تمام روزے مستحب ہیں۔ لیکن بعض روزے ایسے ہیں کہ اُن میں ثواب زیادہ ہے جیسے شوال میں چھ روزے، ماہِ شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ ...الخ۔(تعلیم الاسلام، چوتھا حصہ،ص۱۸۷،ط:مکتبۃ البشریٰ)۔

(۲) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند نے بھی فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں مستحب فرمایا ہے:

الجواب: ...البتہ یہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب کو بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہو اور پندرہویں تاریخ کا روزہ رکھو، پس پندرہویں تاریخ شعبان کا روزہ مستحب ہے، اگر کوئی رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کچھ حرج نہیں فقط۔(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۵۰۰، مدلل مکمل)۔

(۳) بہشتی زیور میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

شبِ برات کی اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرھواں دن اس مہینے کا بہت بزرگی اور برکت کا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو جاگنے کی اور اس دن کو روزہ رکھنے کی رغبت دلائی ہے اور اس رات میں ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے جا کر مردوں کے لیے بخشش کی دعا مانگی ہے۔ (بہشتی زیور، چھٹا حصہ، ص۶۰، ط: دارالاشاعت)۔

دوسری جگہ ”دین کی باتیں“ میں مرقوم ہے:

شبِ برات کی پندرہویں اور رکے مہینہ میں چھ دن نفل روزے رکھنے کا بھی بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔ (خلاصہ بہشتی زیور، ص۲۱۲)۔

(۴) حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ نے عمدۃ الفقہ میں مستحب روزے کے تحت حدیث نقل فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

(مستحب روزے) نمبر (۸) ماہِ شعبان کے روزے...حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ماہِ شعبان کا نصف ہو تو اس کی رات کو قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو الحدیث اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (عمدۃ الفقہ: ۳/۱۸۷)۔

(۵) فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند و سہارنپور کا فتویٰ:

سوال: ہمارے یہاں گزشتہ سال پندرہویں شعبان کا روزہ نہیں رکھا گیا اور کہا گیا کہ یہ روزہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ علاوہ ازیں اس روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، کیا فضائل میں ضعیف حدیثوں کا اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: **عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا ، فيقول : ألا من مستغفر لي فأغفر له ، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه ألا كذا، ألا كذا حتى يطلع الفجر. رواه ابن ماجه .**

مشكاة شريف: ص ۱۱۵ . ابن ماجہ میں یہ روایت صفحہ ۱۰۰ پر ہے۔

سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال درست ہے:

ويجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد و رواية ما سوى من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالىٰ والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، ذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما مما لا تعلق له بالعقائد والأحكام تدريب الراوى ، ص ۹۲ .

پس اس روزہ کو بدعت کہنا درست نہیں جبکہ اس کے متعلق حدیث شریف موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۳-۲۰۴)۔

(۶) شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ نے بھی اس روزہ کو ثابت مانا ہے اور ابن ماجہ کی روایت سے استدلال فرمایا ہے۔ چنانچہ ماثبت بالسنہ میں فرماتے ہیں:

المقالة الثالثة في قيام ليلة النصف من شعبان وصيام يومها أو ما ثبت فيها الأدعية والأذكار: عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول

اللّٰه صلى الله عليه وسلم: إذا كان ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها و صوموا يومها . الحديث... (ماثبت بالسنة ، ص٣٥٨-٣٦٣).

(۷) اسلامی فقہ میں ہے:

شعبان کی ۱۵/ تاریخ کواور شوال کے مہینہ میں چھ روزے رکھنا بھی سنت ہے، شعبان کی پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنے اور پندرھویں رات کو عبادت کرنے اور قبرستان جا کر مردوں کے لیے دعائے مغفرت کرنے کا بھی ذکر حدیث میں ہے۔ (اسلامی فقہ: ۱/ ۴۱۷).

(۸) مفتی تقی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

پندرھویں شعبان کے روزے کے استحباب پر علمائے کرام کی تصریحات۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

پندرھویں تاریخ شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ (زوال السنۃ: ص۱۰).

(۹) حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس کو پندرھویں شعبان کے مسنون اعمال میں شمار فرمایا، یعنی اس کی صبح کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔

(۱۰) علامہ قطب الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح مظاہر حق: ۳۶۴/۲، پر باب صیام التطوع میں پندرھویں شعبان کا روزہ بھی شمار فرمایا ہے۔ (ملخص از رسالہ: شبِ براءت کی حقیقت: ص۷۴-۷۷، از مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ)۔

فقہائے مالکیہ کے نزدیک پندرہ شعبان کے روزے کا حکم:

وفي شرح الصغير على أقرب المسالك للشيخ الدردير المالكي مع حاشية الصاوي: وندب صوم يوم النصف من شعبان . (١/ ٦٩٢، باب الصوم).

یعنی شیخ دردیر مالکیؒ نے پندرھویں شعبان کا روزہ مستحب قرار دیا ہے۔

وفي حاشية البناني: وزاد ابن يونس يوم النصف من شعبان فتصير الأيام المرغب فيها ثمانية . (حاشية البناني على هامش شرح الزرقاني: ٢/ ٣٥٠).

وفى الخلاصة الفقهية : كم هى مندوبات الصوم وماهى ... ٢٢ وصوم يوم النصف من شعبان لمن اراد الاقتصار على هذا اليوم ... (الخلاصة الفقهية على مذهب السادة المالكية: ١٩١).

وفى فقه العبادات :(من المندوبات) صوم يوم النصف من شهر شعبان. (فقه العبادات على المذهب المالكى، ٣٢٣).

فقہائے شافعیہ کے نزدیک پندرہ شعبان کے روزے کا حکم:

فتاویٰ رملی میں سنت کہا ہے اور حدیث کو قابل حجت بتایا ہے:

(سئل) عن صوم منتصف شعبان كما رواه ابن ماجه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، هل هو مستحب أولا وهل الحديث صحيح أولا وإن كان ضعيفاً فمن ضعفه ؟ فأجاب: بأنه يسن صوم نصف شعبان بل يسن صوم ثالث عشره ، و رابع عشره وخامس عشره ، والحديث المذكور يحتج به . (فتاوى الرملي : ٢/ ٧٩).

شیخ ابن حجر الہیتمی الفتاوی الفقہیۃ الکبری میں سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

فأجاب: وأما صوم يومها فهو سنة من حيث كونه من جملة

الأيام البيض لا من حيث خصوصه والحديث المذكور ضعيف .
(الفتاوى الفقهية الكبرى: ۲/۸۰).

تحفۃ المحتاج کے حاشیہ میں شیخ احمد بن قاسم العبادی لکھتے ہیں:

وما ذكروه معها ما إذا طلب صومه في نفسه كيوم النصف من شعبان . (حاشية تحفة المحتاج:۳/۵۰۴).

فقہائے حنابلہ کے نزدیک پندرہ شعبان کے روزے کا حکم:

قال في" الإنصاف" قال في الفروع: لم يذكر اكثر الاصحاب استحباب صوم رجب وشعبان، واستحسنه ابن أبي موسى في الإرشاد، قال ابن الجوزي في كتاب أسباب الهدايه: يستحب صوم الأشهر الحرم...وجزم به في المستوعب، وقال: آكد شعبان يوم النصف ،...
(الانصاف في معرفة الراجح من الخلاف :۳/۳۴۷ . وكذا في الفروع:۵/۹۸).

شیخ مرداوی حنبلی نے اپنی کتاب "الإنصاف"، میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ ابن جوزی نے " المستوعب" میں لکھا ہے کہ شعبان کے روزوں میں پندرھویں شعبان کا روزہ زیادہ مؤکد ہے۔

وقال ابن رجب الحنبلي في لطائف المعارف: وأما صيام يوم النصف منه فغير منهي عنه فإنه من جملة أيام البيض الغر المندوب إلى صيامها من كل شهر وقد ورد الأمر بصيامه من شعبان بخصوصه ففي سنن ابن ماجه بإسناد ضعيف عن علي ...(لطائف المعارف ،ص۱۳۶).

ابن رجب حنبلیؒ نے فرمایا کہ پندرھویں شعبان کے روزے کا حکم خصوصیت

سے آیا ہے۔ مذکورہ بالا نقولِ فقہاء سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یاں مستحب ہونے کی تصریح موجود ہے۔

فقہ حنفی میں متقدمین کی کتب میں کسی مسئلہ کی تصریح نہ ہو اور دیگر مذاہب میں ہو تو متأخرین فقہائے احناف کا اصول:

جب کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی کتب میں مصرح نہیں ہوتا اور دیگر مذاہب میں مصرح ہوتا ہے اور وہ فقہ حنفی کے اصول کے عین موافق ہوتا ہے تو ہمارے فقہائے احناف دیگر مذاہب سے مسئلہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **وقواعدنا لا تأباه، كما قال ابن نجيمؒ في البحر: ولم أر من صرح بهذا من ائمتنا لكني رأيته في كتب الشافعية وقواعدنا لا تأباه .** (۱/۱۷۴،باب المسح على الخفين) اسی طرح علامہ شامیؒ اور علامہ طحطاویؒ وغیرہ فقہاء نے بھی کئی مقامات پر یہ جملہ فرمایا ہے۔ راجع: (فتاوی الشامی وحاشیۃ الطحطاوی ومجمع الانہر، واللباب وغیرہ من کتب الفقہ)۔

ابوبکر بن ابی سبرہ پر کلام کے بارے میں مزید تحقیق:

ابوبکر بن ابی سبرہ ضعیف ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ بعض ائمہ نے ان کو واضع الحدیث کہا ہے اور بعض نے ضعیف کہا، امام بخاریؒ نے فقط ضعیف فرمایا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ نے واضع الحدیث بتلایا لیکن امام احمد بن حنبلؒ کا زمانہ بہت بعد کا ہے شاید اس لیے ان کے بارے میں صحیح حالات کا علم نہیں ہوسکا، ورنہ اکثر ائمہ نے فرمایا کہ وہ اسلامی سلطنت کے تین بڑے عظیم الشان شہر: مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور عراق کے مفتی وقاضی تھے نیز ان کے اساتذہ بھی بلند پایہ کے تھے اور تلامذہ میں بھی مشہور شخصیتیں

ہیں، بنابریں واضع الحدیث کہنا بعید از عقل ہے کیونکہ تین بڑے شہروں کا قاضی اور مفتی کیا فاسق وفاجر ہوگا؟

ثقہ اس کو کہتے ہیں کہ احکامِ شریعت کو اپنے او پر نافذ کرے اور قاضی وہ ہے جو احکامِ شریعت لوگوں پر نافذ کرے اور قاضی کی شرائط وصفات میں ہے کہ گناہِ کبیرہ سے بچنے والا ہو اور صغیرہ پر مصر نہ ہو، اور جو شخص واضع الحدیث ہوگا وہ تو مرتکبِ حرام ہوگا جس کا شمار فاسق کے زمرہ میں ہوگا بھلا ایسا شخص بھی عہدۂ قضا کا اہل ہوسکتا ہے؟ بلکہ قاضی اور مفتی کے الفاظ خود توثیق پر دلالت کرتے ہیں۔

ہاں ضعف کی وجہ یہ ہے کہ حدیث بیان کرنا ان کا شغف نہیں تھا اکثر وبیشتر قضا وافتاء کے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کو ضعیف کہا جیسا کہ امام حفص بن سلیمان کو بھی واضع الحدیث کہا گیا (دیکھئے: تہذیب الکمال: ۷/ ۱۵) لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ ان کا شغف قراءت کے ساتھ زیادہ تھا اس وجہ سے ضعیف کہنا درست ہے۔ بہر حال ابن ابی سبرہ کو ضعیف کہنا درست ہے واضع الحدیث کہنا بہت بعید ہے۔

پھر بعض محدثین نے بعض راویوں کو واضع الحدیث کہا ہے لیکن دیگر بعض نے توثیق بھی کی ہے، ایسے راویوں کی روایت ہمارے اکابرؒ نے قبول کی ہے، یعنی بعض حضرات کے کسی راوی کو واضع الحدیث کہنے کا اعتبار نہیں کیا جب کہ واضع الحدیث ہونے کی صحیح اور معقول وجہ بیان نہ کی گئی ہو جیسے محمد بن اسحاق کو امام مالکؒ نے **دجال من الدجاجلہ** کہا لیکن ان کی روایت کو قبول کیا ہے۔ اسی طرح امام حفص بن سلیمان کی قراءت وروایت مقبول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر بن ابی سبرہ کی روایت مقبول ہوگی ہاں ضعیف کہہ سکتے

ہیں موضوع کہنا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شمس الدین ذہبیؒ تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں:

أبوبكر بن عبد الله بن محمد بن أبي سبرة ، القرشي ، السبرى المدني، الفقيه ، قاضي العراق ، سمع : عبد الرحمن بن هرمز الأعرج ، وعطاء بن ابى رباح ،وزيدبن اسلم ، وشريک بن ابى نمر ، وطائفة ، وعنه : ابن جريج مع تقدمه ، وابوعاصم ، والواقدى وعبدالرزاق ، وغيرهم ،ضعفه البخارى وغيره ...وقال أبوداود: كان مفتي أهل المدينة . وروى عباس عن ابن معين قال: ليس حديثه بشيء ، قدم ههنا فاجتمع عليه الناس فقال: عندى سبعون ألف حديث ، إن أخذتم عني كما أخذ ابن جريج ... ، وروى معن ، عن مالکؒ ، قال لي أبوجعفر المنصور : يا مالک ، من بقي بالمدينة من المشيخة (مشیخہ کا مطلب مقتدیٰ ہے تو کیا واضع الحدیث کو اہل مدینہ نے مقتدیٰ بنالیا تھا) **قلت: ابن أبي ذئب ، وابن أبي سلمة الماجشون ، وابن أبي سبرة ، وقال النسائي: متروک الحديث ...وقال : ابن سعد : أنا محمد بن عمر ، سمعت أبابكر بن أبي سبرة يقول : قال لي ابن جريج : اكتب لي أحاديث من أحاديث جياد، فكتبت له ألف حديث ثم دفعتها إليه ، ما قرأ ها علي، ولا قرأ تها عليه . وقال أحمد : قال لي حجاج قال لي ابن أبي سبرة : عندي سبعون ألف حديث في الحلال والحرام ... قال مصعب الزبيرى : كان من علماء قريش ولاه المنصور القضاء . وقال ابن سعد : مات سنة اثنتين وستين**

ومائة ببغداد ...وولى قضاء مكة لزياد بن عبيد الله ...الخ. (تاريخ الاسلام : ١٠/٥٣٥.٥٣٧، دارالكتاب العربى).

وينظر للاستزادة (تاريخ بغداد :١٤/٣٦٧.٣٧١،ط: دارالكتب العلمية بيروت،ومختصرتاريخ دمشق :٨/٢٩٤.٢٩٦،وتاريخ الاسلام للذهبى و الوافى بالوفيات،والطبقات الكبرى لابن سعد : ١/٤٥٨،ط: مكتبة العلوم والحكم ،وتهذيب الكمال للامام المزى : ٣٣/١٠٢.١٠٨).

وقال فى تاريخ بغداد وتاريخ دمشق : وكان كثير العلم والسماع والرواية . (تاريخ دمشق:٨/٢٩٤،وتاريخ بغداد:١٤/٣٦٩،ط: مؤسسة الرسالة).

بعض ائمہ کوامام احمد بن حنبلؒ کے واضع الحدیث کہنے سے اتفاق نہیں ہے اسی وجہ سے انہوں اس کا تذکرہ نہیں کیا صرف توثیق کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ ملاحظہ ہوتکملۃ الاکمال میں ہے:

وأبوبكر عبد الله بن أبي سبرة بن أبي رهم بن عبد العزى مفتى أهل المدينة حدث عن إسحاق بن عبد الله بن أبى فروة و شريك بن عبد الله بن أبى نمر و محمد بن عبد الرحمن ابن أبي ذئب روى عنه وعبد الرزاق بن همام و قال عباس الدورى سمعت يحيى بن معين يقول : أبوبكر بن ابى سبرة الذى يقول له السبرى هومدنى ليس حديثه بشيء وقال أبوعبيد محمد بن على الآجرى سألت أباداود يعنى السجستانى عن أبى السبرى فقال هو أبوبكر بن أبي سبرة مفتى أهل

المدينة . (تكملة الإكمال لأبي بكر محمد بن عبد الغنى البغدادى : ٣/٢٨٦).

حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں مفصل حالات ذکر کیے ہیں۔ ابتدا میں فرماتے ہیں:

الفقيه الكبير قاضى العراق ...ضعف من قبل حفظه . یعنی حدیث کے ساتھ زیادہ شغف نہ ہونے کی وجہ سے حدیث میں کمزور تھے اوراس کی تائید امام بزار کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے **لین الحدیث** فرمایا ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (سیراعلام النبلاء : ٧/٣٣٠.٣٣٢،ط: مؤسسة الرسالة).

تہذیب الکمال میں امام مزیؒ نے بھی مفصل حالات تحریر کیے ہیں اور پندرہ شعبان کے روزے والی روایت بھی اپنی سند سے نقل فرمائی ہے اورکوئی کلام بھی نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی یہ روایت موضوع نہیں ۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تہذیب الکمال:٣٣/١٠٢۔١٠٨)۔

نیز امام فاکہی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب " **أخبار مكة** " (رقم:١٨٣٧) میں یہ روایت اپنی سند سے نقل فرمائی ہے اور موضوع نہیں کہا۔ نیز امام یحیی بن الحسین الشجری نے " **الأمالي الشجريه**" (ص٢٣٧) پر یہ روایت نقل فرمائی ہے اورکوئی کلام نہیں فرمایا۔

علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں فقط ضعیف کہا ہے، اسی طرح تخریج الاحیاء میں حافظ عراقیؒ نے بھی ضعیف کہا ہے، امام شوکانیؒ نے بھی الفوائد المجموعہ (ص٥١) پر ضعیف کہا ہے، شیخ محمد طاہر پٹنی نے بھی ضعیف کہا ہے، یعنی ان محدثین میں سے کسی نے اس روایت کو موضوع نہیں کہا۔ **وكفى بهم قدوة** ۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں اس حدیث کے موضوع نہ ہونے کی تین وجوہات بیان کی گئی ہیں:

پہلی وجہ: محض ایک راوی کے اوپر وضع کے اتہام سے حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا، اگر یہ حدیث موضوع ہوتی تو حافظ منذریؒ اس کو اپنی کتاب ’’الترغیب والترہیب‘‘ میں ذکر نہ کرتے، اس لیے کہ ان کے سلسلے میں علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ اگر تمھیں معلوم ہوجائے کہ کوئی حدیث منذریؒ صاحبِ ترغیب وترہیب کی تصانیف میں موجود ہے تو اس کو اطمینان سے بیان کر سکتے ہو (یعنی وہ موضوع نہیں ہوسکتی) (الرحمۃ المرسلۃ فی شأن حدیث البسملۃ: ص۱۵)۔

دوسری وجہ: اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جن حضرات نے سنن ابن ماجہ کی موضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے ان میں اس حدیث کا ذکر نہیں ملتا، ’’**ما تمس إليه الحاجة**‘‘ میں وہ ساری احادیث مذکور ہیں۔ (محدثِ کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، بہ حوالہ شبِ براءت کی شرعی حیثیت، ص۶)۔

تیسری وجہ: ابن ابی سبرہ پر جرح شدید ہے، ان کے ضعیف ہونے میں شبہ نہیں؛ تاہم بعض اہل علم ایسے بھی ہیں، جنھوں نے ان کے بارے میں بلند کلمات کہے ہیں؛ جیسا کہ تاریخ خطیب بغدادیؒ میں ان کے تفصیلی ترجمہ کے ضمن میں موجود ہیں، نیز شیخ محمد طاہر پٹنیؒ نے ان کو قاضی العراق لکھا ہے، جہاں بعض محدثین نے ان کی طرف وضع کی نسبت کی ہے، وہیں بعض نے محض ضعیف کہا ہے۔

لہٰذا قطعی طور پر اس حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا، ہاں ضعیف ضرور کہا

جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ پندرہویں شعبان کے روزے کو نہ تو واجب وسنت کہا جاسکتا ہے، نہ ہی بدعت کہہ کر بالکل رد کیا جاسکتا ہے؛ بلکہ اس کو مستحب کہا جائے گا۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ص۱۲، شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ مطابق جون ۲۰۱۳ء)۔

اور فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل علماء کے یہاں مروج ہے۔

فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کے متعلق محدثین کے اقوال ماقبل میں تفصیل سے مذکور ہوئے البتہ مزید چند ملاحظہ فرمایئے:

روى الخطيب البغدادي في " الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع " (رقم: ۱۲۸۰): **قال: أنا محمد بن أحمد بن يعقوب أنا محمد بن نعيم، قال: سمعت يحيى بن محمد العنبري، يقول: نا محمد بن إسحاق بن راهويه، قال: كان أبي يحكي عن عبد الرحمن بن مهدي، أنه كان يقول: إذا روينا في الثواب والعقاب وفضائل الأعمال، تساهلنا في الأسانيد والرجال، وإذا روينا في الحلال والحرام والأحكام تشددنا في الرجال ".**

قال الشيخ تقي الدين ابن الصلاح: نقاد أهل الحديث يتسامحون في أسانيد الرغائب والفضائل. (البدر المنير لابن الملقن: ۲/ ۲۸۰، ط: الرياض).

وقال الخطيب في " الكفاية في علم الرواية " (ص ۱۳۳، باب التشديد في احاديث الاحكام والتجوز في فضائل الاعمال) **قد ورد عن غير واحد من السلف أنه لا يجوز حمل الأحاديث المتعلقة بالتحليل والتحريم إلا**

عمن كان بريئاً من التهمة بعيداً من الظنة ، وأما أحاديث الترغيب والمواعظ ونحو ذلک فإنه يجوز كتبها عن سائر المشايخ ثم أسند هذه الآثار التالية :

۱ / عن سفيان الثوری قال: لا تأخذوا هذا العلم فی الحلال والحرام إلا من الرؤساء المشهورين بالعلم الذين يعرفون الزيادة والنقصان ، ولا بأس بما سوی ذلک من المشايخ.

۲ / عن سفيان بن عيينة قال: لا تسمعوا من بقية ما كان في سنة واسمعوا منه ما كان في ثواب وغيره .

۳ / عن أحمد بن حنبل قال : إذا روينا عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فی الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا فی الأسانيد وإذا روينا عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم في فضائل الأعمال وما لا يضع حكماً ولا يرفعه تساهلنا فی الأسانيد .

۴ / عن أبي زكريا العنبری قال: الخبر إذا ورد لم يحرم حلالاً ولم يحل حراماً ، ولم يوجب حكماً ، وكان في ترغيب أو ترهيب أو تشديد أو ترخيص : وجب الإغماض عنه والتساهل في رواته . انتهی النقل عن الخطيب .

ابن قدامہؒ المغنی میں فرماتے ہیں:

النوافل والفضائل لاتشترط صحة الحديث فيها . (المغنی : ۱/۷۶۹، فصل فی صلاة التسبيح، دارالکتب العلمية).

امام نوویؒ الاذکار میں فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم : يجوز ويستحب العمل فی الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلک فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلک ، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فإن المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب . (کتاب الاذکار، ص۲۵،ط: مکتبة دارالبيان).

محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع . (فتح القدير: ۲/۱۳۳، فی اواخر من باب الصلاة علی الميت ،دارالفکر).

ابن بدران الحنبلی المدخل إلى مذهب الإمام أحمد بن حنبل میں فرماتے ہیں: تتمة : ذهب الإمام أحمد وتبعه موفق الدين المقدسی والأكثر إلى أنه يعمل بالحديث الضعيف فی الفضائل . (المدخل الی مذهب الامام احمد بن حنبل : ۱/۱۰۴، الاصل الثانی : السنة ، ط: دارالکتب العلمية بيروت).

تتمة اضواء البيان میں ہے:

ولو فرض وقدر جدلاً أنه فی السند مقالاً ، فإن أئمة الحديث لايمنعون إذا لم يكن فی الحديث حلال أوحرام أو عقيدة ، بل كان باب فضائل الأعمال لايمنعون العمل به ، لأن باب الفضائل لايشدد فيه هذا التشدد ونقل السيوطی مثل ذلک عن أحمد وابن المبارک .

(تتمة اضواء البيان للشيخ عطية سالم تلميذ الشيخ الشنقيطی:۸/۵۷۲).

فتح المغیث میں امام سخاویؒ لکھتے ہیں

هذا مع أن مجرد تفرد الكذاب بل الوضاع ولو كان بعد الاستقصاء والتفتيش من حافظ متبحر تام الاستقراء غير مستلزم لذلك بل لا بد معه من انضمام شيء مماسيأتي . (فتح المغيث : ۱/ ۲۵۱). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲)

بروزِ جمعہ عصر کے بعد خاص درود شریف کی تحقیق:

سوال: جمعہ کے دن بعد العصر درود شریف جو مشہور ومعروف ہے اور عام مساجد میں اس کے اشتہارات آویزاں کیے جاتے ہیں، کیا یہ درود شریف انہی الفاظ کے ساتھ حدیث میں وارد ہوا ہے یا نہیں؟ اگر وارد ہوا ہے تو سنداً اس حدیث کا کیا درجہ ہے؟ تحقیق مطلوب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علامہ سخاویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب " **القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع**" میں بحوالہ ابن بشکوال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے بعد العصر کی تخصیص کے ساتھ یہ درود شریف نقل فرمایا ہے۔اور مزید براں حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی نسبت فرمائی ہے کہ ان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔القول البدیع کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

وفي لفظ عند ابن بشكوال من حديث أبي هريرةؓ أيضاً : " من صلى صلاة العصر من يوم الجمعة فقال قبل أن يقوم من مكانه: "

اللّٰهم صلّ على محمد النبي الأمي وعلىٰ آله وسلم تسليماً " ، ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً ، و كتبت له عبادة ثمانين سنة ". و نحوه عن سهل كما سيأتي . (القول البديع ،ص ۳۸۱،ط:مؤسسة الريان).

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ: جو شخص جمعہ کے دن عصر کے بعد اپنی جگہ سے کھڑا ہونے سے پہلے اسی (۸۰) مرتبہ یہ درود شریف پڑھے: "**اللّٰهم صلّ على محمد النبي الأمي وعلىٰ آله وسلم تسليماً** " اس کے اسی (۸۰) سال گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور اسی (۸۰) سال کی عبادت کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔

حدیث شریف پر کلام ملاحظہ کیجئے:

علامہ سخاویؒ نے ابن بشکوال کا حوالہ دیا ہے،اور ابن بشکوال ابوالقاسم خلف بن عبدالملک بن بشکوال م۵۷۸ھ کی کتاب " **القربة الى رب العالمين بالصلاة على محمد سيد المرسلين** " ہے جو سید محمد سید اور خلاف محمود عبدالسمیع کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان سے شائع ہوئی ہے۔

زیرنظر کتاب کی مراجعت اور ورق گردانی کے باوجود مذکورہ بالا روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے مذکورہ الفاظ کے ساتھ بندہ کو دستیاب نہیں ہوئی۔ بایں وجہ اس روایت پر بندہ مثبت یا منفی انداز میں کلام کرنے سے قاصر ہے۔ہاں ابن بشکوال نے حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے مذکورہ روایت کے مشابہ ایک روایت کی تخریج فرمائی ہے وہ روایت درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

قال الشيخ أبو القاسم ابن بشكوال، وقرأت على القاضي أبي بكر بن العربي قال: أنبأنا ابن المبارك بن عبد الجبار حدثنا أبو طالب

العشاري حدثنا عمر بن شاهين حدثنا الحسن بن إسماعيل الضبي وأحمد بن عبد اللّٰه بن نصر بن بحير قالا: حدثنا سعيد بن تواب حدثنا عون بن عمارة (منكر الحديث) حدثنا سكن البرجمي عن الحجاج بن سنان (متروک) عن علي بن زيد (ضعيف ، رافضي) عن سعيد بن المسيب أظنه عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: " الصلاة علي نور على الصراط ، فمن صلى علي يوم الجمعة ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين عاماً ". (القربة لابن بشكوال، ص ١١١، رقم الحديث: ١٠٩).

قال المحشي: رواه الخطيب البغدادی فی تاریخه (١٣/٤٨٩) من حدیث أنس رضی اللہ عنہ. وذکره الألبانی فی الضعیفة.

دونوں روایتوں کے مابین فرق واضح ہے تاہم حدیث پر کلام ملاحظہ ہو:

قلت: إسناده ضعيف جداً؛ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے، اس میں تین رواۃ پر سخت کلام ہے۔ (١) علی بن زید بن جدعان؛ ضعیف اور رافضی قسم کا آدمی تھا۔ (المیزان: ٣/١٢٧، والتقریب، ص ٤٦٨ مع تحریر التقریب).

(٢) حجاج بن سنان؛ کو حافظ ازدی نے متروک کہا ہے۔ (المیزان: ١/٤٦٣، واللسان: ٢/٥٦٢).

(٣) عون بن عمارہ؛ کو ابوزرعہ اور حاکم نے منکر الحدیث کہا اور امام ابوداود نے ضعیف کہا اور ابن عدی نے کہا کہ ضعف کے باوجود حدیث لکھی جا سکتی ہے، ساجی نے کہا: سچا ہے لیکن اس میں غفلت تھی اور وہم ہو جاتا ہے۔ (التہذیب: ٨/١٤٨).

نیز اس حدیث کی تخریج ابن شاہین نے الترغیب میں (ص ٩٢) پر اور دارقطنی نے "الافراد" میں اور ابوالشیخ اور الضیاء المقدسی وغیرہ حضرات نے بھی فرمائی ہے۔

قال الدارقطني: تفرد به حجاج بن سنان عن علي بن زيد فلم يروه عن حجاج إلا السكن بن أبي السكن قال ابن حجر في تخريج الأذكار: والأربعة ضعفاء وأخرجه أبونعيم من وجه آخر وضعفه ابن حجر. (فيض القدير: ٤/٢٤٩).

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تحقیق:

علامہ سخاویؒ نے حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بحوالہ ابن بشکوال بیان فرمائی ہے، بنابریں ہم ابن بشکوال کی کتاب " القربة " سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

قال ابن بشكوال: قال شيخنا أبوالقاسم: وروينا عن سهل بن عبد اللّٰه: من قال في يوم الجمعة بعد العصر: " اللّٰهم صلِّ على محمد النبي الأمي وعلى آله وسلم ، ثمانين مرة غفرت له ذنوب ثمانين سنة ". (القربة لابن بشكوال، ص ١١٤، رقم: ١١٤).

پہلی روایت یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت اور اس دوسری روایت کے مابین تین فروق ہیں:

الف: پہلی روایت میں: " قبل أن يقوم من مكانه " کے الفاظ موجود ہیں، جب کہ دوسری میں نہیں ہیں۔

ب: پہلی روایت میں: " وسلم تسليماً " ہے، اور دوسری میں "

تسلیماً ‘‘ نہیں ہے۔

ج : پہلی روایت میں ’’ کتبت لہ عبادۃ ثمانین سنۃ ‘‘ ہے دوسری روایت میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

مزید براں ابن بشکوالؒ نے اس حدیث کی کوئی سند ذکر نہیں فرمائی، فقط اپنے شیخ ابوالقاسم کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے جب کہ شیخ ابوالقاسم احمد بن تقی م۵۳۲ھ کے درمیان اور سہل بن عبداللہ ؓ کے درمیان مفاوز ہیں، طویل فاصلہ ہے اور سلسلہ سند منقطع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ روایت حضرت سہل بن عبداللہ ؓ پر موقوف ہے۔

لہذا اسناد اور رجال کا حال معلوم کیے بغیر اس روایت کے بارے میں کچھ کلام کرنا مشکل ہے اور یہ کہنا کہ علامہ سخاویؒ بہت بڑے آدمی تھے، جرح وتعدیل میں ان کا اونچا مقام تھا، یا شیخ ابن بشکوالؒ بہت بڑے آدمی تھے یا ان کے شیخ ابوالقاسم بڑے حضرت تھے، یہ بات فنِ اصولِ حدیث کی رو سے کسی حدیث کے اثبات کے لیے ناکافی ہے۔ **لأنه لايشفي العليل ولا يروى الغليل .**

وجہ یہ ہے کہ کثیر تعداد میں محدثین نے حدیث کی کتابیں مرتب فرمائی ہیں اور جملہ محدثین بڑے بزرگ اور ثقہ، ثبت تھے ان کی علمی عملی شان میں کوئی کمی نہیں تھی لیکن ان کی بعض کتابوں میں موضوعات بھی شامل ہیں۔

البتہ اس بارے میں ایک دوسری حدیث مروی ہے جس کو خطیب بغدادی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ’’تاریخ بغداد‘‘ میں ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال الخطيب البغدادي : وهب بن داود بن سليمان أبو القاسم المخرمي حدث عن إسماعيل بن علية روى عنه محمد بن جعفر

المطيري وكان ضريراً ولم يكن ثقة أخبرنا أبو طالب عمر بن إبراهيم الفقيه حدثنا عمر بن إبراهيم المقرئ حدثنا محمد بن جعفر المطيري حدثنا وهب بن داود بن سليمان الضرير حدثنا إسماعيل بن إبراهيم حدثنا عبد العزيز بن صهيب عن أنس بن مالك ؓ قال: كنت واقفاً بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: من صلى على يوم الجمعة ثمانين مرة غفر الله له ذنوب ثمانين عاماً فقيل له كيف الصلاة عليك يا رسول الله قال: تقول: " اللهم صلِّ على محمد عبدك ونبيك ورسولك النبي الأمي" ، وتعقد واحداً . (تاريخ بغداد: ۱۳/ ۴۸۹/ ۷۳۲۶).

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ سے بھی مروی ہے، امام دارقطنی نے اپنی کتاب ’’الافراد‘‘ میں نقل کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ تحقیق ماقبل میں گزر چکی ہے۔

البتہ خطیب بغدادی کی روایت میں صرف ایک راوی وہب بن داود کو خطیب بغدادی نے ’’ لم يكن بثقة ‘‘ فرمایا ہے۔ اگرچہ شیخ البانی صاحب نے اس کو موضوع کہا ہے لیکن شیخ البانی صاحب کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اس کی سند میں کوئی کذاب، وضاع راوی نہیں ہے بلکہ فقط ایک ضعیف راوی ہے اس کی وجہ سے موضوع کہہ دینا بہت بڑی جرأت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت انس ؓ کی مذکورہ حدیث دیگر احادیث کے مقابلہ میں ٹھیک ہے اور قابل عمل ہے ہاں اس میں جمعہ کے دن بعد العصر کی کوئی تخصیص

نہیں ہے لہذا پورے دن میں کبھی بھی پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳)

بروزِ جمعہ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کی تحقیق:

سوال: عام طور پر ایک حدیث شریف " **من صلی علي یوم الجمعة ألف مرة لم یمت حتی یری مقعده من الجنة** " جمعہ کے دن بیان کی جاتی ہے اوراس پر عمل کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کیا یہ حدیث شریف، حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو سنداً اس کا کیا درجہ ہے؟ تحقیق مطلوب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ یہ حدیث شریف دو طریق سے مروی ہے (۱) حافظ ابن شاہین کے طریق سے اوراس میں "یوم الجمعہ" کے الفاظ نہیں ہیں، اور یہ طریق سنداً ضعیف ہے، علامہ سخاویؒ نے اس کو منکر کہا ہے، اس میں ایک راوی محمد بن عبدالعزیز الدینوری منکر الحدیث ہے۔ اور دوسرا راوی حکم بن عطیہ ضعیف ہے۔

(۲) دوسرا طریق حافظ ابوالقاسم الاصبہانی کا ہے، اس میں "یوم الجمعہ" کے الفاظ موجود ہیں، اور یہ بھی سنداً ضعیف ہے اس میں ایک راوی محمد بن عبداللہ بن محمد بن سنان القزاز البصری مجہول ہیں، شیخ البانی صاحب نے کہا " **لم أعرفه** " پھر کہا: شاید محمد بن سنان ہوگا جو کہ مشہور ضعیف راوی ہے۔

قال الشیخ الألباني: محمد بن عبد اللہ بن محمد ؛ لم أعرفه، ولعل الأصل ...عن محمد بن سنان ؛ فإن محمد بن سنان القزاز البصري معروف وهو ضعیف. واللہ أعلم. (سلسلة الضعیفة: ۱۱/۱۸۹).

اگر اس سند میں محمد بن عبداللہ بن محمد بن سنان القزاز البصری سے مراد محمد بن سنان القزاز البصری ہو جیسا کہ شیخ البانی صاحب نے " **لعل الأصل** " سے ذکر کیا ہے تو اس پر سخت کلام ہے۔ ملاحظہ ہو: **قال ابن الجوزی: محمد بن سنان بن یزید بن الذیال، أبو الحسن، القزاز، البصری؛ حدث عن روح بن عبادة . کان أبو داود السجستاني یطلق علیه الکذب، و قال عبد الرحمن بن خراش: هو کذاب**. (کتاب الضعفاء و المتروکین: ۳/۷۰، و تاریخ بغداد: ۵/۳۴۵).

حافظ ابن الجوزیؒ نے محمد بن سنان بن یزید بن الزیال ابوالحسن القزاز البصری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ابوداود نے اس کو متہم بالکذب قرار دیا، اور عبد الرحمٰن بن خراش نے کذاب کہا ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے محمد بن سنان کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام دارقطنیؒ نے " **لا بأس به** " فرمایا، یعنی ٹھیک ہے۔

قال الخطیب في تاریخ بغداد: وروی الحاکم أبو عبد اللہ بن البیع أنه سمع الدارقطني یقول: محمد بن سنان القزاز أصله بصري سکن بغداد لا بأس به . (تاریخ بغداد: ۵/۳۴۳).

اوراگر کوئی دوسرا ہو تو پھر وہ مجہول ہے۔

کیونکہ ان کے استاذ قرۃ بن حبیب مشہور محدث ہیں امام مزیؒ نے ان کے ترجمہ میں ان کے ۳۲ شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں محمد بن عبداللہ بن محمد کا نام کہیں مذکور نہیں ہے۔ نیز ان سے روایت کرنے والے جعفر بن محمد بن الحسن ہے ان کے اساتذہ میں بھی محمد بن عبداللہ بن محمد کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ دیکھئے: (تہذیب الکمال: ۲۳/۵۷۴، وتذکرۃ الحفاظ).

اوردوسراراوی حکم بن عطیہ ضعیف ہے۔

قال الحافظ في التقريب: صدوق له أوهام، وقال في تحرير التقريب: بل ضعيف يعتبر به ؛ ضعفه أبوداود الطيالسي، والنسائي، وأبوأحمد الحاكم، وقال سليمان بن حرب: عمدت إلى حديث المشايخ فغسلته ، فقيل : مثل من؟ قال مثل الحكم بن عطية وقال الترمذي: قد تكلم فيه بعضهم ، وقال ابن أبي حاتم: سألت أبي عن الحكم بن عطية فقال: يكتب حديثه ، وليس بمنكر الحديث، وكان أبوداود يذكره بجميل، قلت: يحتج به ؟ قال: لا، من ألف شيخ يحتج بواحد، ليس هو بالمتين هو مثل الحكم بن سنان، وقال ابن حبان في المجروحين: كان أبوالوليد شديد الحمل عليه ، ويضعفه جداً ، وكان الحكم ممن لا يدري ما يحدث ، فربما وهم الخبر يجيء كأنه موضوع ، فاستحق الترك ، وانفرد ابن معين بتوثيقه . (تحرير التقريب: ۱/۳۱۰، ۳۱۱).

محدثین کے ہاں " **فلان يعتبر به** " کا مطلب یہ ہے کہ صرف متابعات

وشواہد میں لے سکتے ہیں انفراداً اس کی روایت مقبول نہیں۔

وقال في فتح المغيث: قال ابن الصلاح : واعلم أنه قد يدخل في باب المتابعة والاستشهاد رواية من لايحتج بحديثه وحده بل يكون معدوداً في الضعفاء وفي كتابي البخاري ومسلم جماعة من الضعفاء ذكرهم في المتابعات والشواهد وليس كل ضعيف يصلح لذلك ولهذا يقول الدارقطني وغيره: فلان يعتبر به وفلان لا يعتبر به . (فتح المغيث : ۱/۲۰۹).

علامہ سخاویؒ نے اس حدیث کو بھی منکر کہا ہے۔

حافظ ابوحفص عمر بن احمد ابن شاہین البغدادی م ۳۸۵ھ کا طریق ملاحظہ فرمایئے:

حدثنا عمر، نا عثمان بن أحمد ، أنا محمد بن أحمد بن البراء ، أنا محمد بن عبد العزيز الدينوري (منكر الحديث)**،أنا قرة بن حبيب القنوي، أنا الحكم بن عطية** (ضعيف، حدث عن ثابت أحاديث لايتابع عليها قاله الدارقطني)**، عن ثابت ، عن أنس بن مالك**رضي الله عنه **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من صلى علي في يومٍ ألف مرة ، لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة " .** (الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك لابن شاهين، ص ۲۲، رقم الحديث : ۱۹).

قال المحشي صالح أحمد : إسناده ضعيف . (ص ۱۹). **وأيضاً أخرجه ابن سمعون في أماليه** (رقم:۵۶).

حافظ قوام السنہ ابوالقاسم الاصبہانی م ۵۳۵ھ کا طریق ملاحظہ کیجئے:

قال الحافظ أبوالقاسم إسماعيل بن محمد ابن الفضل الجوزى الأصبهاني : أخبرنا محمد بن عبد الله الكاذى ، ثنا الحسين بن محمد الهاشمي ، ثنا أبوعبد الله بن يعقوب القساملي، ثنا محمد بن أستاذ ، ثنا جعفر بن محمد بن الحسن ، ثنا محمد بن عبد الله بن محمد بن سنان القزاز البصرى(مجهول)، ثنا قرة بن حبيب ، ثنا الحكم بن عطية(ضعيف، حدث عن ثابت أحاديث لا يتابع عليها قاله الدارقطنى) ، ثنا ثابت ، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ” **من صلى علي في يوم الجمعة ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة** “. (كتاب الترغيب والترهيب : ١/٣٨٢،رقم الحديث ٨٨٣).

وقال المحشي: عزاه السيوطي في نور اللمعة (١٨٢) للمصنف وعزاه ابن القيم في جلاء الأفهام (ص٣٢) لابن شاهين وقال السخاوي (فى القول البديع،ص٢٦٧) : رواه ابن شاهين في ترغيبه وغيره وابن بشكوال من طريقه وابن سمعون فى أماليه وهو عند الديلمى من طريق أبى الشيخ. وأخرجه الضياء فى المختارة [قال الشيخ الألبانى: وسقط الحديث من مطبوعة ”المختارة“ ، وليس فيه ترجمة لـ الحكم ابن عطية عن ثابت عن أنس رضي الله عنه. فالظاهر أنها كانت قصاصة من القصاصات التي كان يلحقها بمكانها ، وقد شاهدت منها الشيء الكثير فى نسخة الظاهرية ، وهى بخط المؤلف ، وهذه ربما ضاعت أو لم تصور(سلسلة الضعيفة:١١/١٩٠)] وقال: لا أعرفه إلا من حديث الحكم بن عطية . قال الدارقطني: حدث عن ثابت أحاديث لا يتابع عليها، وقال أحمد: لا

بأس به ، إلا أن أباداود الطيالسي روى عنه أحاديث منكرة وقال السخاوي: وبالجملة فهو حديث منكر كما قال شيخنا . (التعليقات على كتاب الترغيب للشيخ محمد السعيد بن بسيونى زغلول: ١/٣٨٢).

وقال السخاوي فى” القول البديع“(ص٣٨٢): وعن أبي عبد الرحمن المقرئ قال: بلغني أن خلاد بن كثير كان فى النزع فوجد تحت رأسه رقعة مكتوب فيها : هذه براء ة من النار لخلاد بن كثير، فسألوا أهله : ما كان عمله ؟ فقال أهله: كان يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم كل يوم جمعة ألف مرة : اللّٰهم صل على محمد النبي الأمي ، ويروى في ذلك الحديث الماضي:” من صلى على يوم الجمعة ألف مرة لم يمت حتى يرى مقعده من الجنة “رواه أبوموسى المدينى، وذكره ابن النعمان وغيره ولم أقف على أصله ، انتهى .

قلت: أخرجه أبوالشيخ الأصبهاني في طبقات المحدثين بأصبهان (رقم: ٤٨٢). ويحيى بن الحسين الشجري فى ”الأمالى الشجرية “ (٢/١٠٥).

خلاصہ یہ ہے کہ یوم الجمعہ کی قید کے ساتھ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔اگر اس کی سند میں محمد بن سنان بصری ہوتو اس کوابوداود وغیرہ نے کذاب کہاہے اوراگرمحمد بن عبداللہ بن محمد ہوتو وہ مجہول الذات والعدالۃ ہے اورحکم بن عطیہ کی بھی اکثر نے تضعیف کی ہے۔

علماء نے حدیثِ ضعیف پرعمل پیرا ہونے کی چند شروط تحریرفرمائی ہیں:

(۱) ضعف شدید نہ ہو یعنی اس کی سند میں کذاب یا متہم بالکذب راوی موجود نہ ہو۔ (متقدمین اور متأخرین نے اس شرط کے خلاف عمل ظاہر کیا ہے، از شیخ محمد عوامہ، راجع: حکم العمل بالحدیث الضعیف، ص۸۰)۔

(۲) ضعیف حدیث اصولِ شریعت سے متصادم نہ ہو۔

(۳) ضعیف حدیث کو احتیاط کے درجہ میں تسلیم کیا جائے سنتِ مؤکدہ کے درجہ میں نہیں۔ ملاحظہ ہو تدریب الراوی میں مذکور ہے:

وذكر شيخ الإسلام له ثلاثة شروط ؛ أحدها : أن يكون الضعف غير شديد ، فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه نقل العلائی الاتفاق عليه . الثاني: أن يندرج تحت أصل معمول به . الثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط . (تدريب الراوی: ۱/۲۹۸).

(وكذا فی ظفر الامانی ،ص۱۱۲، وفتاوی الشامی: ۱/۱۲۸ ،سعيد ، وفتح القدير: ۲/۱۳۳).

علامہ شامیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایسی ضعیف حدیث کو بغیر سند بیان کیا جائے تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہنا چاہئے بلکہ ایک روایت میں آیا ہے کہنا چاہئے۔ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: **وأما الضعيف فتجوز روايته بلا بيان ضعفه لكن إذا أردت روايته بغير إسناد فلا تقل قال رسول اللّٰه كذا وما أشبهه من صيغ الجزم بل قل روي كذا وبلغنا كذا وما أشبهه من صيغ التمريض وكذا ما شک في صحته وضعفه كما فی التقريب .**

(فتاوی الشامی: ۱/۱۲۸ ،تحت ادلة الوضو ،سعيد).

شیخ محمد عوامہ صاحب حفظہ اللہ نے اس موضوع پر مفید بحث فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک حدیث ضعیف فضائل میں ہو تو اس کا ضعف یا صیغہ تمریض سے بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ قال: **انه لا يحتاج الى بيان ضعف الضعيف ما دام فی بابه ...** (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص ۲۲۹). **وقال أيضاً : ثالث الملاحظات: هل يجب على العالم أن يقرن ذكر الحديث الضعيف ببيان ضعفه، كما هو الواجب عليه حال ذكره حديثاً موضوعاً؟ وجوابه من كلام علمائنا السابقين ومن واقعهم : أنه لا يجب .** (حكم العمل بالحديث الضعيف،ص ۲۳۷).

وللاستزادة ينظر: حكم العمل بالحديث الضعيف ، (ص ۲۲۸ــ ۲۴۰). **واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم بالصواب .**

(۴)

ماہِ رجب میں روزے کے متعلق احادیث کی تحقیق:

ماہِ رجب میں روزے کے بارے میں دو قسم کی روایات مروی ہیں (۱) پہلی قسم روزہ رکھنے کی فضیلت میں۔ لیکن تقریباً تمام روایات ضعیف ہیں۔ (۲) دوسری قسم روزہ رکھنے کی ممانعت والی روایات۔

پہلی قسم روزہ رکھنے کی فضیلت میں روایات کی تحقیق ملاحظہ کیجئے:

(۱) أخرج الإمام البيهقي في شعب الإيمان (۳۵۲۰) **بسنده عن عبد العزيز بن سعيد ، عن أبيه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه**

وسلم: من صام يوماً من رجب كان كصيام سنة ومن صام سبعة أيام غلقت عنه سبعة أبواب جهنم ، ومن صام ثمانية أيام فتحت له ثمانية أبواب الجنة ، ومن صام عشرة أيام لم يسأل الله عزوجل شيئاً إلا أعطاه ومن صام خمسة عشر يوماً نادى منادٍ من السماء : قد غفرت لك ما سلف فاستأنف العمل قد بدلت سيئاتكم حسنات ، ومن زاد زاده الله عزوجل ، وفي شهر رجب حمل نوح فى السفينة ، فصام نوح ، وأمر من معه أن يصوموا ، وجرت بهم السفينة ستة أشهر إلى آخر ذلك لعشر خلون من المحرم .

قلت: إسناده ضعيف ، قال الهيثمى فى المجمع : وفيه عبد الغفور وهو متروك. وعثمان بن مطر الشيبانى ضعيف .

وأيضاً أخرجه في فضائل الأوقات (رقم:٩) والطبرانى فى الكبير (٥٥٣٨/٦٩/٦)، والأصبهاني فى الترغيب والترهيب (رقم:١٨٢٢) وعبد العزيز الكتانى في فضائل رجب والبخارى فى الضعفاء .

(٢) صوم أول يوم من رجب كفارة ثلاث سنين ، والثاني كفارة سنتين ، والثالث كفارة سنة ،ثم كل يوم شهر .

أخرجه أبومحمد الخلال في فضائل رجب عن ابن عباس رضي الله عنه كما فى الجامع الصغير للإمام السيوطى (٥٠٥١) ورمز له بالضعف . قال المناوى فى التيسير بشرح الجامع الصغير (٩٥/٢): إسناده ساقط .

(٣) وعن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم : إن فى الجنة نهراً يقال له : رجب أشد بياضاً من اللبن وأحلى من العسل من صام من رجب يوماً سقاه الله من النهر .

أخرجه الإمام البيهقي في شعب الإيمان (٣٥١٩)، وفي فضائل الأوقات (٨)، وابن حبان فى المجروحين (٢٣٨/٢).

قال ابن الجوزي: لايصح فيه مجاهيل، لا ندرى من هم . (العلل المتناهية، رقم:٩١٢) وقال الذهبى : والخبرباطل . (الميزان، رقم ٨٧٩٧ فى ترجمة منصور بن يزيد).

وللمزيد من البحث راجع : (تبيين العجب بماورد فى شهر رجب للحافظ ابن حجر العسقلانيؒ).

(٤) عن سلمان الفارسى رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: في رجب يوم وليلة من صام ذلك اليوم وقام تلك الليلة كمن صام من الدهر مائة سنة وهولثلاث بقين من رجب وفيه بعث الله محمداً صلى الله عليه وسلم .

أخرجه البيهقي في شعب الإيمان(٣٥٣٠)، وقال: روى ذلك بإسناد آخر أضعف من هذا. وأيضاً في فضائل الأوقات (١١)، والديلمى فى الفردوس (٤٣٨١).

قال ابن حجر: هذا الحديث منكر إلى الغاية وهياج هوابن بسطام التيمى الهروى وروى عن جماعة من التابعين وضعفه ابن معين وقال داود : تركوه وقال الحافظ : الملقب بجزرة منكرالحديث لا

يكتب من حديثه إلا للاعتبار ولم أكن أعلمه بهذا حتى قدمت هراة فرأيت عندهم أحاديث مناكير كثيرة وقال الحاكم أبوعبد الله هذه الأحاديث التي رواها صالح من حديث الهياج الذنب فيه لابنه خالد والحمل فيها عليه وقال يحيى بن أحمد بن زياد الهروى كل ما أنكره على الهياج فهو من جمع ابنه انتهى كلامه. (تبيين العجب ،ص ٢١).

(٥) وأخرج ابن الجوزيؒ فى العلل المتناهية (٣٥٦/٢٢٦/١) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: من صام يوم ثمانى عشرة من ذى الحجة كتب الله له صيام ستين شهراً ...فأنزل الله عزو جل اليوم أكملت لكم دينكم و من صام يوم سبعة وعشرين من رجب كتبت له صيام ستين شهراً ...، قال أبوبكر بن ثابت اشتهر هذا الحديث برواية حبشون وكان يقال إنه انفرد به وقد تابعه عليه أحمد بن عبد الله بن العباس بن سالم المعروف بابن النبرى قال: أنا علي بن سعيد الشامي قال أنا ضمرة فذكره مثل ما تقدم أونحوه . وقال المؤلف: وهذا حديث لا يجوز الاحتجاج به ومن فوقه إلى أبى هريرة رضي الله عنه ضعفاء ، ونزول الآية كان يوم عرفة بلا شك وذكر ذلك فى الصحيحين .

وأيضاً أخرجه ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق (٢٣٣/٤٢)، ويحيى بن حسين الشجرى في أماليه (٣١/١)، والخطيب البغدادى فى تاريخ بغداد (٤٣٩٢/٢٨٩/٨).

وللمزيد راجع : (فضائل رجب للخلال ، وفضائل رجب لعبد العزيز

الكتانى ، وتبيين العجب لابن حجر العسقلانى ، والأدب في رجب للملا على القارى ، وفضائل الأوقات للإمام البيهقى، و فضائل رجب وشعبان ورمضان للقزوينى).

(٢) ممانعت والی روایات ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام ابن ماجه في سننه (١٧٤٣) بسنده عن ...أنه عليه الصلاة والسلام نهى عن صيام رجب .

إسناده ضعيف جداً ، فيه داود بن عطاء ؛ قال البخارى وغيره : متروك .

قال الشيخ فؤاد عبد الباقي: في إسناده: داود بن عطاء، وهوضعيف متفق على ضعفه. (التعليقات على ابن ماجه:١٧٤٣/٥٥٤/١).

وأيضاً أخرجه الطبراني فى الكبير (١٠٦٨١/٣٤٨/١٠) وابن الجوزي فى الواهيات (٩١٣) والبيهقي فى الفضائل .

ملاعلی قاریؒ نے اس حدیث کا یہ جواب دیا کہ یہ ممانعت خاص ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ رجب کا روزہ واجب سمجھ کر رکھا جائے ،جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا۔(کمافی الادب فی رجب)۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ کراہت اندیشہ ضعف کی علت کی بنا پر ہے یعنی جو شخص رجب کے روزوں کی وجہ سے کمزور ہو جائے اور رمضان کے فرض روزوں پر قادر نہ ہوتو ایسے شخص کے لیے رجب وشعبان دونوں کے روزے رکھنا مکروہ ہے۔(کمافی روایۃ امالی الشجریہ)۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار منقول ہیں:

عن خرشة بن الحرقال: رأيت عمر رضي الله عنه يضرب أكف الناس في رجب ، حتى يضعوها في الجفان ، ويقول: كلوا ، فإنما هو شهر كان يعظمه أهل الجاهلية .

وعن سفيان ، عن زيد بن أسلم قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صوم رجب؟ قال: اين أنتم من شعبان ! هذا حديث مرسل رجاله ثقات ، لكن كان يحيى القطان يفضل مراسيل معاوية بن قرة على مراسيل زيد بن أسلم .

وعن أنس رضي الله عنه قال: لا تكن اثنينياً ولا خميسياً ، ولا رجبياً . وعن عاصم بن محمد ، عن أبيه قال: كان ابن عمر رضي الله عنه إذا رأى الناس وما يعدون لرجب ، كره ذلك. (المصنف لابن ابی شیبة:٦/٣٣٤، ط: المجلس العلمی).

امدادالفتاویٰ میں ہے:

چونکہ احتمال تھا کہ بعض لوگ جو رجب کی تعظیم کرتے تھے اوراب مشرف باسلام ہو گئے تھے شاید وہ لوگ یا ان کی دیکھا دیکھی اورلوگ اس طرح کی تعظیم کے قصد سے اس میں روزہ نہ رکھنے لگیں ،اس لیے شارع علیہ السلام نے اس کی ممانعت فرمادی ،جس طرح بعض احادیث میں صومِ یوم السبت سے نہی آئی ہے ،حالانکہ اطلاق سے دلائل ونیز اجماع سے اس کا جواز ثابت ہے ،وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ یہود کے دیکھا دیکھی تخصیص صوم کوذریعہ تعظیم نہ بنائیں ،اسی طرح صیامِ رجب کی نہی کو سمجھنا چاہئے ۔پس اس حیثیت سے تو یہ منہی عنہ ٹھہرا۔دوسری حیثیت رجب میں صرف شہر حرام ہونے کی ہے،جو اس میں بقیہ اشہر حرم میں مشترک ہے،پہلی حیثیت سے قطع نظر کر کے صرف اس دوسری حیثیت سے اس میں روزہ رکھنے کومندوب فرمایا گیاپس دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا۔(امدادالفتاویٰ:٢/١١٦)۔

حضرت تھانویؒ ٢٧رجب کے روزے کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس ماہ کی ٢٧ تاریخ میں یہ اعمال مروج ہیں،(١)روزہ جس کی روایات پر شیخ دہلویؒ نے ماثبت بالسنہ میں سخت جرح کی ہے۔صرف ایک روایت کوجوکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاًوارد ہے۔جس میں اس روزہ کو برابر ساٹھ ماہ کے روزوں کے کہا گیا ہے۔شیخ نے سب سے امثل اورغنیمت کہا ہےلیکن پھر بھی ختم روایت پرفرمایا: **فهذه أحاديث ذكرت فيما حضر عندنا من الكتب ولم يصح منها على ما قالوا شيء وغايته الضعف وجلها موضوع** ۔مگرشیخ ہی نے ایک حدیث بروایتِ ابن ابی شیبہ وطبرانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صومِ رجب پرلوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے اورجبراً کھانے میں ڈلواتے تھے۔کہ یہ ماہ جاہلیت میں معظم تھااسلام میں متروک ہوگیا خیر اگرکوئی روزہ ہی رکھے تو ایک تو اس کوحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ سمجھے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سمجھے۔

دوسرے اس کوہزاری یعنی ہزارروزہ کے برابرثواب میں نہ سمجھے کہ اس میں منقول کی تغییر ہے۔تیسرے اس کوحدیثِ صحیح کے برابرنہ سمجھے،غایت سے غایت ضعیف سمجھ لے... باقی نفس صومِ رجب بےاصل نہیں ہے۔(امدادالفتاویٰ:٢/١١٧-١١٨)،

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے: ستائیسویں رجب کے روزہ کوجوعوام ہزارروزہ کہتے ہیں اور ہزارروزوں کے برابراس کا ثواب سمجھتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں ۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند،جلددوم،ص٤٩٢)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: ستائیسویں رجب کے بارے میں جوروایات آئی ہیں وہ موضوع اورضعیف ہیں،صحیح اورقابل اعتماد نہیں لہذا ستائیسویں رجب کا روزہ

عاشوراء کی طرح مسنون سمجھ کر کہ ہزار روزوں کا ثواب ملے گا اس اعتقاد سے رکھنا ممنوع ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستائیسویں رجب کا روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔(فتاوی رحیمیہ:۴/۸۸)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۵)

رجب کی مشہور دعا:

" اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ " کی تحقیق:

یہ حدیث ایک راوی ''زائدہ بن ابی الرقاد'' کی وجہ سے ضعیف ہے۔

أخرج الطبراني في "الأوسط" (۴/۵۵۸/۳۹۵۱،ط:الرياض)**، قال: حدثنا علي بن سعيد الرازي قال: نا عبد السلام بن عمر الجني قال: نا زائدة بن أبي الرقاد قال : نا زياد النميري عن أنس بن مالك ؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل رجب ، قال: " اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ" لا يروى هذا الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم إلا بهذا الإسناد تفرد به زائدة بن أبي الرقاد.**

وأيضاً أخرجه الإمام أحمد في مسنده (۲۳۴۶)**، والبزار في مسنده** (۶۴۹۴)**، وابن عساكر في معجمه** (۳۰۹) **والبيهقي في شعب الإيمان** (۳۵۲۴)**، وفي فضائل الأوقات** (ص۱۰۵)**، وابن السني في عمل**

اليوم والليلة (۶۶۰)**، وابن ابي الدنيا في فضائل رمضان** (ص۲)**، ومحمد بن الحسن بن علي الخلال في فضائل شهر رجب** (ص۳)**، وأبونعيم في حلية الأولياء** (۲۶۹/۶)**.**

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف؛ زائدة بن أبي الرقاد ، قال البخاري: منكر الحديث، وقال أبوداود: لا أعرف خبره، وقال أبوحاتم: يحدث عن زياد النميري ، عن أنس ؓ أحاديث مرفوعة منكرة ولا ندري منه أو من زياد ، وزياد النميري ، وهو أبي عبد الله ، ضعفه ابن معين ، وأبوداود ، وقال أبوحاتم: يكتب حديثه ولايحتج به، وذكره ابن حبان في الثقات وقال: يخطئ ، ثم ذكره في المجروحين ، وقال: منكر الحديث، يروي عن أنس ؓ أشياء لا تشبه حديث الثقات لايجوز الاحتجاج به ، وهذا الحديث من مسند أنس ؓ وليس من مسند ابن عباس ؓ. (تعليقات الشيخ شعيب على مسنداحمد :۴/ ۱۸۰/ ۲۳۴۶،ط:الرسالة).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت زائدہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے۔بنابریں اس دعا کو پڑھنا اور دوسروں کو اس کے پڑھنے کی ترغیب دینا بھی درست ہے۔مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

" اللّٰهم بَارِكْ لَنَا في رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَارِكْ لَنَا فِي رَمَضَانَ ".

(مسند أحمد رقم:۲۳۴۶).

(٦)

نومولود کے داہنے کان میں اذان وبائیں کان میں اقامت کا حکم

نومولود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا احادیث اور کتبِ فقہ کی روشنی میں مستحب ہے، یعنی سنتِ غیر مؤکدہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل نہ ہونے کی وجہ سے سنتِ مؤکدہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبيد اللّٰه بن أبي رافع عن أبيه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن عليؓ حين ولدته فاطمةؓ بالصلاة.

(رواه الترمذی،رقم:١٥١٤)، **وقال: هذا حديث حسن صحيح .**

وأخرجه أحمد في "مسنده" (٢٣٨٦٠/٢٩٧/٣٩)، **قال الشيخ شعيب: "إسناده ضعيف لضعف عاصم بن عبيد اللّٰه: وهو ابن عاصم بن عمربن الخطاب ، وبقية رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين .**

...وأخرجه أبوداود (٥١٠٥) **من طريق يحيى وحده ، به.**

وأخرجه عبدالرزاق (٧٩٨٦)، **والطبراني في "الكبير"** (٩٣١)، **والحاكم** (٤٨٢٧/١٧٩/٣) **والبيهقي في "السنن"** (٣٠٥/٩)، **وفي "شعب**

الإيمان" (٨٦١٨) **من طرق عن سفيان الثوري ، به. قال الحاكم : هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، فتعقبه الذهبي بقوله : عاصم ضُعِّفَ .**

اقامت کے بارے میں حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابن عباسؓ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم : أذن في أذن الحسن بن علي يوم ولد فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى .

(رواه البيهقى فى شعب الايمان، رقم:٨٢٥٥، وقال: فى إسناده ضعف).

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف فيه الحسن بن عمرو بن سيف السدوسي وهو متروك، واتهمه على ابن المديني والبخاري بالكذب. (تعليقات الشيخ شعيب على مسند احمد٢٩٧/٣٩).

وللمزيد راجع : "تهذيب الكمال" : ٢٨٨/٦، ٢٨٩، مع التعليقات .

عن الحسين بن عليؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى رفعت عنه أم الصبيان . (رواه البيهقى فى شعب الايمان، رقم:٨٢٥٤، وقال : فى اسناده ضعف).

قال الشيخ شعب في تعليقاته على مسند أحمد (٢٩٨/٣٩): **و آخر أشد هلاكاً من الأول ، عند أبي يعلى** (٦٧٨٠)، **وعنه ابن السني في" عمل اليوم والليلة "**(٦٢٣) **من حديث الحسين بن علي... وفي إسناده يحيى بن العلاء و مروان بن سالم ، وهما متهمان بالوضع .**

وشيخ أبي يعلى فيه جبارة بن مغلس ، وهو ضعيف .

خلاصہ یہ ہے کہ نومولود کے کان میں اذان دینے کے بارے میں ابورافع کی روایت ضعیف ہے، لیکن دیگر شواہد کی وجہ سے حسن ہوگی۔

قال بشير محمد عيون في تعليقاته على " تحفة المودود" لابن القيم (ص۲۲)**: وهو ضعيف لكن له شواهد يقوى بها .**

البتہ اقامت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ضعیف ہے، اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت تو انتہائی ضعیف ہے۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت فضائل اعمال میں قابل استدلال ہے۔

قال الشيخ شعيب في تعليقاته على مسند أحمد (۲۹۸/۳۹)**:قلنا: و مع ضعف الحديث الوارد في هذه المسألة ، فقد عمل به جمهور الأمة قديماً وحديثاً ، ... وقد أورده أهل العلم في كتبهم وبوبوا عليه و استحبوه .**

قال الحافظ ابن القيم في" تحفة المودود بأحكام المولود، (ص۲۲، ط:الرياض)**:الباب الرابع في استحباب التأذين في أذنه اليمنى والإقامة في أذنه اليسرى .**

وفي شرح السنة : روى أن عمر بن عبدالعزيزؒ كان يؤذن في اليمنى ويقيم في اليسرى إذا ولد الصبي. (شرح السنة للامام البغویؒ: ۲۷۳/۱۱،باب الاذان فی اذن المولود،ط:المکتب الاسلامی) .

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله لايسن لغيرها، أي من الصلوات وإلا فيندب للمولود و في حاشية البحر للخير الرملي : رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة كما في أذان المولود . (رد المحتار:۳۸۵/۱،سعید).

تقریرات الرافعی میں ہے:

قال السندي فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه ويقيم في اليسرى . (التحریرالمختار:۴۵/۱،سعید).

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کچھ مواقع ایسے ہیں جن میں اذان واقامت یا صرف اذان مستحب ہے (۱) جب بچہ پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا۔(عمدۃ الفقہ:۴۰/۲)۔

بہشتی زیور میں ہے:

بچہ پیدا ہونے کے وقت یہ باتیں سنت ہیں کہ اس کو نہلا دھلا کر داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہہ دی جائے...(بہشتی زیور،ص۴۶۰)۔

قال السيد السابق في " فقه السنة"(۳۲۹/۳)**: ومن السنة أن يؤذن في أذن المولود اليمنى ، ويقيم في الأذن اليسرى ليكون أول ما يطرق سمعه اسم الله .**

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

السنة أن يؤذن في أذن المولود عند ولادته ذكراً كان أو أنثى ... لحديث أبي رافع ... قال جماعة من أصحابنا يستحب أن يؤذن في

أذنه اليمنى ويقيم الصلاة فى أذنه اليسرى ... ونقل أصحابنا مثل هذا الحديث عن فعل عمر بن عبد العزيزؒ. (شرح المهذب:۸/٤٤٣).

کشاف القناع میں ہے:

وسن أن يؤذن في أذن المولود اليمنى ذكراً كان أو أنثى حين يولد وأن يقيم فى اليسرى لحديث أبي رافع ... (كشاف القناع،لمنصور بن يونس البهوتى الحنبلى،۲۹/۳،ط:بيروت).

شیخ ابوبکر الجزائری ''سلفیوں کے مقتدیٰ اور پیشوا'' کا ضعیف حدیث سے استحباب کو ثابت کرنا:

منہاج المسلم میں لکھتے ہیں:

الأذان والإقامة في أذني المولود : استحب أهل العلم إذا وضع المولود أن يؤذن في أذنه اليمنى ، ويقام في أذنه اليسرى ، رجاء أن يحفظه الله من أم الصبيان وهي تابعة الجان . لما روى : ''من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى، وأقام في أذنه اليسرى، لم تضره أم الصبيان'' . (منهاج المسلم،ص:۳۲۱).

علامہ ابن تیمیہؒ کا استدلال:

علامہ ابن تیمیہؒ نے **'' الكلم الطيب''** میں **'' فصل فى الولادة ''** کے تحت اس روایت کو ذکر فرمایا ہے اور کوئی کلام نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو: **ويذكر عن الحسين بن علی** رضي الله عنه ، **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:'' من**

ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى، لم تضره أم الصبيان''. (الكلم الطيب،ص۸۸ رقم:۲۱۱، فصل فى الولادة،ط:دارالفكر، بيروت). محشی دکتور رسید جمیلی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: **راجع عمل اليوم والليلة لابن السنى (۲۳۸) وإسناده ضعيف جداً .**

لیکن شیخ البانی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔

قال الشيخ الألباني فى الضعيفة (رقم:۳۲۱): **قلت: وهذا سند موضوع، يحيى بن العلاء ومروان بن سالم يضعان الحديث . وأطال الكلام فراجعه .**

محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے شیخ البانی پر رد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

أقول: إن الحكم بالوضع على هذا الحديث من تفردات الألباني الشاذة و تحكماته من غير دليل ، فإن مجرد كون الرجل موصوفاً بوضع الحديث لا يوجب كون جميع أحاديثه موضوعة على الإطلاق ، لأنه إن كان يوجب ذاک هذا لم يجز لمن أخرج حديث الموصوفين بالوضع أن يخرج لهم شيئاً إلا ببيان وضعه ، والواقع أن عبد الرزاق ، وأبا داود ، وابن السني، والبيهقى ، والنووى ، وابن تيمية، وابن القيم ، والهيثمى ، والمباركفورى ذكروا حديث يحيى بن العلاء ، ولم يصرحوا أن حديثه موضوع ، فإما أن يعتذر عنهم أنهم كانوا جاهلين بكون يحيىٰ وضاعاً فهذا يزيل الثقة بعلمهم ، لا يقول به إلا جاهل يحط قدر العلماء ، وإما أن يطعن فيهم فيرموا بقلة الدين

لسكوتهم عن بيان وضع الحديث ، وهذا لا يرضى به .

وأما قول الألباني:"خفي عليهم وضعه" فأقول: كيف خفي عليهم وقد رواه ابن السني من طريق جبارة عن يحيى ، وأورده النووي برواية ابن السني ، وتبعه ابن تيمية ثم تبعه ابن القيم ، أليس جبارة ويحيى بمرأى منهم ؟ أما كانوا يعرفون أنهما كذابان أو وضاعان ، أما كانوا يعرفون أن وجود واحد من الوضاعين في السند يكفي للحكم بوضع الحديث ، فكيف وهنا اثنان .

وقوله : وأما الإقامة فهي غريبة . قلت: إذا كان شاهداً للتأذين فما الذي يمنع من كونه شاهداً للإقامة المذكورة في حديث الحسين بن علي، فتكون مأذوناً فيها شرعاً دون أن نعتقده مانعاً ضَرَرَ أم الصبيان. (رد الشيخ حبيب الرحمن الاعظمي على الشيخ ناصرالدين الالباني ، المعروف بـ الألباني؛ شذوذه واخطاؤه،ص ۱۰۲ـ۱۰۳). واللہ ﷻ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحابی جلیل حضرت ثعلبہ بن حاطب البدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک سوال اور جواب:

(جن حضرات نے اس قصہ میں ثعلبہ بن حاطبؓ کی جگہ ثعلبہ بن ابی حاطب کو ذکر کیا ہے ان کی بات صحیح نہیں)

سوال: ماشاء اللہ آپ نے ''الجزء اللطیف'' میں بعض صحابہ کرام پر عائد ہونے والے بعض اعتراضات اور غلط فہمیوں کے دور کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، مگر ایک بدری صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطبؓ کے بارے میں ص ۱۶۰ پر یہ مرقوم ہے کہ بعض حضرات نے دو الگ الگ شخصیتیں بیان کی ہے لیکن اس کا مدار ابن الکلبی اور عطیہ پر ہے جو مطعون ہیں ،اگر اس کے بارے میں کچھ وضاحت ہو جائے کہ یہ تفریق کن حضرات نے کی ہے اور اسناد میں کون راوی ہے اور ان پر کیا کلام ہے تو عین کرم ہوگا۔

أفيدونا مأجورين ۔

الجواب: حافظ ابن حجرؒ نے " الإصابة في تمييز الصحابة " میں حضرت ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات قلمبند فرمائے ہیں، اور ساتھ ساتھ ان پر ہونے والے اعتراض کے دفاع کی کوشش کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس نام کی دو شخصیتیں ہیں؛ (۱) ثعلبہ بن حاطبؓ، یہ بدری صحابی ہے جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ (۲) ثعلبہ بن ابی حاطب، یہ آیتِ کریمہ : ﴿ومنهم من عاهد الله﴾ کے

مصداق ہیں، اوراس کی دلیل میں ابن الکلبی اور عطیہ عوفی کی سند سے روایت نقل کی ہے۔ جبکہ دونوں پر سخت کلام ہے۔
اسی طرح شیخ شمس الدین السفارینی الحنبلی نے لوامع الانوار البہیۃ میں جلد۲ص ۳۶۶ پر حافظ صاحب سے نقل کیا ہے۔

حافظ صاحب کی عبارت ملاحظہ ہو: **وقد تأكدت المغايرة بينهما بقول ابن الكلبي: إن البدري استشهد بأحد ، ويقوى ذلك أيضاً أن ابن مردويه روى في تفسيره من طريق عطية عن ابن عباس ﷺ في الآية المذكورة ، قال : و ذلك أن رجلاً يقال له ثعلبة بن أبي حاطب من الأنصار أتى مجلساً فأشهدهم فقال: ﴿لئن آتانا من فضله ﴾الآية ، فذكر القصة بطولها ، فقال : إنه ثعلبة بن أبي حاطب. والبدري اتفقوا على أنه ثعلبة بن حاطب ؛ وقد ثبت أنه صلى الله عليه وسلم قال: لا يدخل النار أحد شهد بدراً و الحديبية . وحكى عن ربه أنه قال لأهل بدر: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم ، فمن يكون بهذه المثابة كيف يعقبه الله نفاقاً في قلبه ، وينزل فيه ما نزل ؟ فالظاهر أنه غيره ، والله أعلم .** (الإصابة في تمييز الصحابة: ١/٦١٥،رقم الترجمة: ٩٣١،ط: بيروت).

یہ تفریق حافظ ابن حجرؒ نے بیان فرمائی ہے اسی کو علامہ سیوطیؒ نے الحاوی میں جلد۲،ص ۱۱۶ پر نقل کیا ہے۔ نیز علامہ آلوسی بغدادی صاحبِ روح المعانی نے اپنی تفسیر میں جلد۱۰،ص۱۴۳ پر بیان کیا ہے۔
لیکن یہ تفریق جمہور علماء کے نزدیک درجِ ذیل چند وجوہات کی بنا پر صحیح اور درست معلوم

نہیں ہوتی ؛ (۱) حافظ ابن حجرؒ نے ابن الکلبی کے حوالہ سے بیان کیا اور ابن الکلبی پر سخت کلام ہے؛

قال الذهبي: ابن الكلبي، العلامة الاوحد أبوالمنذر هشام بن الاخباري الباهر، محمد بن السائب بن بشير الكلبي الكوفي الشيعي أحد المتروكين، كأبيه. روى عن أبيه كثيراً ، وعن مجالد ، وأبي مخنف لوط، وطائفة ،قال الدارقطني وغيره: متروك الحديث . (سير أعلام النبلاء: ١٠/١٠١).

وقال في الميزان: وقال ابن عساكر: رافضي، ليس بثقة . (ميزان الاعتدال،رقم: ٩٢٣٧).

وقال ابن الجوزي: هشام بن محمد بن السائب الكلبي يروى عن أبيه عن ابن أبي مخنف قال أحمد ما ظننت أن أحداً يحدث عنه إنما هو صاحب سير وقال الدارقطني: متروك. (الضعفاء والمتروكين، رقم: ٣٦٠٢).

(۲) حافظ ابن حجرؒ نے ابن مردویہ کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے اس میں ایک راوی عطیہ بن سعد العوفی پر کلام ہے:

قال الحافظ في التقريب: عطية بن سعد بن جنادة العوفي الجدلي الكوفي أبوالحسن ،صدوق، يخطئ كثيراً وكان شيعياً مدلساً ... (رقم: ٤٦١٦).

قال الشيخ بشارعواد في التحرير على التقريب: بل ضعيف،

ضعفه هشيم ،ويحيى بن سعيد القطان، وأحمد بن حنبل وسفيان الثورى ، وأبوزرعة الرازى ، وابن معين في عدة روايات ، وقال في أخرى: ليس به بأس، وضعفه أبوحاتم، والنسائى، والجوزجاني، وابن عدي، وأبوداود ، وابن حبان ، والدارقطني، والساجي، فهو مجمع على تضعيفه ، ما وثقه سوى ابن سعد ! فلا ندري من أين جاء بعبارته " صدوق يخطئ كثيراً...الخ " . (تحرير تقريب التهذيب:٣/٢٠/٤٦١٦).

وللمزيد راجع : (تهذيب الكمال:٢٠/١٤٧، وسير أعلام النبلاء:٥ /٣٢٥).

(٣) الشہاب الثاقب میں شیخ ابواسامہ الہلالی نے اس تفریق کو رد کیا ہے؛ عبارت ملاحظہ کیجیے:

لا يجوز الجزم بماقاله ابن الكلبى، وإذا صح ،فإنما ينتقض القصة ويبين فسادها، ولايدل على وجود شخصية أخرى، والصواب في هذا المقام: ما ذكره ابن الاثير تعليقاً على كلمة ابن الكلبى: فإذا كان هذا الذى في هذه الترجمة ؛ فإما يكون ابن الكلبى قد وهم في مثله أوتكون القصة غير صحيحة ، أو يكون غيره ، وهو هو لا شك فيه، فقد نفى أن يكون غيره ؛ فإما يكون ابن الكلبى قد وهم وقد عرفت شأنه ، أو تكون القصة غير صحيحة من أصلها ؛ وهو الصواب.

أما الرواية من طريق عطية عن ابن عباس رضي الله عنه التي عضد بها الحافظ توجيهه ؛ فهي رواية ساقطة لا يفرح بها، وقد سبق بيان حالها فى الرواية الثانية فلا يجوز الاحتجاج بها، ولقد ذهب الحافظ فى

الفتح (٣/٢٦٦) إلى رد الاحتجاج بقصة ثعلبة، فكيف يحتج بها هنا؟...

والعجيب أن الحافظ رحمه الله يحاول التوفيق بين القصة وكون ثعلبة بن حاطب من أهل بدر، فيخترع شخصية أخرى لينسب القصة له ، وهو الذى صرح بأن هذه القصة غير صحيحة من أصلها في ثلاثة من كتبه ، وحسبنا تصريح العلماء أن صاحب القصة هوثعلبة بن حاطب البدري لا غير . (الشهاب الثاقب فى الذب عن الصحابى الجليل ثعلبة بن حاطب رضى الله عنه،للشيخ ابواسامة سليم بن عيد الهلالى ،ص٣٨ــ ٣٩).

(٤) وقال في أرشيف ملتقى أهل الحديث: الادعاء بأن ثعلبة بن حاطب البدرى رضي الله عنه استشهد يوم أحد مردود لأمرين :

ــ المصنفون في طبقات الصحابة الكرام لم يقل واحد منهم إن ثعلبة بن حاطب استشهد يوم أحد .

ــ الذين استشهد يوم أحد معروفون معدودون مضبوطة أسماؤهم لم يذكر من بينهم ثعلبة بن حاطب، انظر سيرة ابن هشام (١٢٢/٢.١٢٧)، ورواية الكلبي لا يعول عليها لما علمت حالها فلا داعي لقول الكلبي على أنه من جملة الاحتمالات للتوفيق بين الروايات كما مال إلى ذلك ابن الاثير في أسد الغابة (٢٨٥/١)....والصحيح وفاته في خلافة عثمان رضى الله عنه .

وللمزيد راجع : (ارشيف ملتقى اهل الحديث :٣٢/٤١٣).

(۵) شیخ عداب محمود نے اس تفریق کو رد کیا ہے اور علامہ آلوسیؒ کی عبارت پر

چند اشکالات کیے ہیں؛ ملاحظہ ہو:

وكلام الآلوسي ؒ فيه نظر من جهات عديدة : ١ـ الأولى : أنه سماه ثعلبة بن حاطب أوابن أبي حاطب ونص على أنه من بني أمية بن زيد ونفى أن يكون هو البدرى ؟ وكلام الشيخ لايحتمل سوى معنيين اثنين : الأول: أن ثمة رجلين من بنى أمية بن زيد بهذا الاسم أحدهما بدرى ، والآخر ليس ببدرى . وهذه دعوى لم يأت الشيخ ؒ عليها بأى دليل، ولا يستطيع أحد البتة إقامة دليل على ذلک وقد تقدمت مناقشة الحافظ في هذا .

وأن يكون ثعلبة بن حاطب البدرىؓ من بنى أمية بن زيد، وهناک ثعلبة بن حاطب، أوابن أبي حاطب ليس بدرياً ، وليس من بنى أمية بن زيد وهذا ما فهمه بعض من قرأ الكتاب !

ولو سلمنا بهذا الفهم ، فمن أين لنا ذلک ؟ وما السبيل إلى إقامة الحجة على وجود الرجل الثاني، غير البدرى .

إن كتب الصحابة لا تذكر سوى البدري، ومن ذكر سواه فإنما ذكره بصيغة قيل ثم رجح أنه هو ؟ إن الاحتمالات لاتقوم بها أحكام ، ولايؤمن عاقل بأن مجرد الادعاء يثبت الدعوى....

٢ـ والجهة الثانية : أن الجزم بوفاة ثعلبة البدري في أحد، لايقوم عليه أدنى دليل إلا عند من يعتبرمجرد ذكر الشيء دليلاً ؟ بل إن كثيراً من المتقدمين ذكروا أنه عاش إلى خلافة عثمان ، وله عقب .

٣ـ والجهة الثالثة : أن جزمه بصحة القصة يثير العجب ، فقد سبقه عدد من الحفاظ الذين حكموا عليها بالوهن أو الضعف، ولم ينقل عن حافظ واحد أنه صححها ثم إن أسانيدها بين أيدينا، فكيف تم له هذا التصحيح ؟

لا ريب أن الآلوسيؒ ، يعلم ما ورد في حق أهل بدر من الثناء ، و الوعد بالمغفرة ، فأراد أن يبرّئ ثعلبة بن حاطب، ويلصق القصة المشهورة بغيره، فوجد أمامه ما نقله الحافظ ابن حجرمن التفريق بين ثعلبة بن حاطب، وابن أبي حاطب واستبعاد الكثيرين من أن تكون هذه القصة جارية مع البدرى ، فجعلها في ثعلبة غير البدرى وصححها ؟

بيد أن فعله هذا ، لا يثبت وجود الشيء المدعى عليه فضلاً عن إثبات قصة تلحقه . والله أعلم. (ثعلبة بن حاطب الصحابى المفترى عليه ، للشيخ الدكتورعداب محمودالحمش ،ص ٥٤،ط:دارالفتح ،عمان ،الاردن).

خلاصہ یہ ہے کہ ثعلبہ نامی علیحدہ دو شخصیتیں موجود نہیں ہیں ،اورآیتِ کریمہ کے نزول کے بارے میں حضرت ثعلبہ بن حاطب کا قصہ جو مشہور ہے وہ بھی محققین کے نزدیک صحیح اوردرست نہیں، نہ اورکوئی مخلص صحابی مراد ہے بلکہ منافقین کا ایک گروہ مراد ہے۔

ملاحظہ ہوتفسیر قرۃ العینین علی تفسیر الجلالین میں مرقوم ہے:

إن هذه القصة التي أشار إليها السيوطي، والتي قيل: إن هذه الآيات نزلت فيها، هي قصة متداولة على الألسن، نقلها بعض المفسرين كما رويت، ولم ينكروا نسبتها إلى ثعلبة ، مثل ابن كثيرؒ في

تفسيره ، والسيوطي هنا، وفى الدر المنثور، وغيرهما، ونقلها آخرون وتعقبوها بالنقد ، واستبعدوا نزولها في حق صحابي شهد معركة بدر، فقال الهيثمى في مجمع الزوائد : رواه الطبراني، وفيه على بن يزيد الالهاني، وهومتروك ، وقال الحافظ ابن حجر في تخريج أحاديث الكشاف: أخرجه الطبراني، والبيهقي فى الدلائل، والشعب، وابن أبي حاتم ، والطبري، وابن مردويه،كلهم من طريق على بن يزيد ، عن القاسم بن عبد الرحمن، عن أبي أمامة ، وهذا إسناد ضعيف،جداً ، وقال ابن حجرمثل ذلک فى كتابه الإصابة .

وقال القرطبى في تفسيره ، بعد أن أورد القصة : قلت: وثعلبة ، بدري ، أنصاري ، ممن شهد اللّٰه له ورسوله بالإيمان، فما روي عنه غير صحيح... فالصواب: أنها لم تنزل في ثعلبة بن حاطب، ولا في غيره من المسلمين، والقصة المشار إليها مردودة لا يصح قبولها، فإن كانت هذه الآيات قد نزلت في أناس بعينهم، فهم منافقون أصلاً ، والدليل على ذلک: سياق الآيات التي جاء ت تبين أفعال المنافقين: [اقرأ الآيات ٧٣.١٠٠١١]، وأيضاً : نص هذه الآية ، فقوله: ﴿ومنهم﴾ يعني: ومن المنافقين ، أى عند ما عاهدوا اللّٰه ، كان كل واحد منهم منافقاً ، ولم يكن مؤمناً ثم نافق بنقضه العهد ، وقوله ﴿فاعقبهم﴾ أى: الذين نقضوا العهد ، وهذا يعني أنهم جماعة ، ولو كان واحداً لقال: فأعقبه ، ومن غرائب ما في هذه القصة: رفض النبي صلى اللّٰه عليه

وسلم قبول زكاته ، وكذلک الخلفاء الثلاثة من بعده، وهل يرد الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم تائباً جاء ه معتذراً ؟ وبذلک يتبين لنا رجحان قول الضحاک بن مزاحم رحمه اللّٰه تعالىٰ إنها نزلت في رجال من المنافقين كما تقدم، وإنه لا علاقة لثعلبة بن حاطب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه بهذه القصة و لا لأحد من المسلمين الصادقين . (قرة العينين على تفسير الجلالين للقاضي الشيخ محمد أحمد كنعان ،ص ٢٥٤ـ٢٥٦).

واللّٰه سبحانه وتعالىٰ اعلم بالصواب۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم

مراجع ومصادر

کتاب	مصنف	مطبع
القرآن الكريم	تنزيل من رب العالمين	
علوم الحديث	لمولانا عبيد الله الاسعدى	مجلس نشريات الاسلام
تيسير مصطلح الحديث	للدكتور محمود طحان	ديوبند يوپى
مقدمه ابن الصلاح	لابى عمرو عثمان بن عبد الرحمن ابن صلاح	ملتان
ظفر الامانى	للعلامة عبد الحي اللكنوى	دار الكتب العلمية
قواعد فى علوم الحديث	للشيخ ظفر أحمد التهانوى	دار السلام
تتمة أضواء البيان	للشيخ محمد عطية سالم تلميذ الشيخ محمد الأمين الشنقيطي	
اعلام الموقعين	للعلامة ابن القيم الجوزيه	دار الحديث قاهرة
التعليقات على قواعد فى علوم الحديث	للشيخ عبد الفتاح ابى غده	دار السلام

کتاب	مصنف	مطبع
السنن الكبرى	لابى بكر احمد بن حسين بن على البيهقى	دار المعرفه
تدريب الراوى	للعلامة جلال الدين السيوطى	آرام باغ كراچى
تحقيق المقال فى تخريج احاديث فضائل الاعمال	للشيخ لطيف الرحمن القاسمى	مكتبة الحرمين
الاذكار	للعلامة النووى	دار العربيه بيروت
فيض القدير	للشيخ عبد الرؤوف المناوى	دار الفكر
فتح المعين	للسيد محمد ابى السعود المصرى الحنفي	سعيد كمپنى
الدر المختار	للعلامة علاء الدين الحصكفى	سعيد كمپنى
فتاوىٰ دار العلوم زكريا	للشيخ المفتى رضاء الحق	زمزم پبلشرز
فتح البارى شرح صحيح البخارى	للحافظ ابن حجر العسقلانى	دار نشر الكتب الاسلاميه
دلائل النبوة	للامام البيهقى	دار الكتب العلمية
فتاوى ابن تيميه	للشيخ احمد بن تيميه	دار العربيه بيروت
الاجوبة الفاضلة	للعلامة عبد الحي اللكنوى	دار السلام
الفروع	للعلامة المقدسى	دار الكتب العلمية

شرح مختصر الخليل	للشيخ محمد عليش	دار الفكر
كشاف القناع	للشيخ منصور بن يونس بن ادريس البهوتى	دار الفكر
المجموع شرح المهذب	للشيخ ابى زكريا يحيى بن شرف الدين النووى	دار الفكر
مطالب اولى النهى فى شرح غاية المنتهى	للشيخ مصطفى السيوطى الرحيبانى	المكتب الاسلامى
حواشى الشيروانى	للعلامة عبد الحميد الشروانى	دار الفكر
المنهج القويم	للعلامة الهيثمى	
مغنى المحتاج	لشمس الدين محمد بن محمد الخطيب الشافعي	دار الكتب العلمية
الفواكه الدوانى	للشيخ احمد بن غنيم المالكى	دار الفكر
الآداب الشرعية	للشيخ ابى عبد الله محمد بن مفلح المقدسى	مؤسسة الرسالة
حدیث اورفہم حدیث	لمولانا عبداللہ معروفی	مکتبہ عثمانیہ دیوبند
ايقاظ همم	للشيخ صالح بن محمد العمرى	دار المعرفه
الموضوعات الكبير	للشيخ الملا على القارى	قديمى كتب خانه

قواعد التحديث	لمحمد جمال الدين القاسمى	دار الكتب العلمية
حاشية تدريب الراوى	لعبد الوهاب عبد اللطيف	كراچى
الفوائد المجموعة	للامام الشوكانى	المكتب الاسلامى
سنن الترمذى	للامام ابى عيسى محمد بن عيسى بن سورة	فيصل پبليكيشنز ديوبند
التفسير الكبير	للامام فخر الدين بن ضياء الدين عمر الرازى	دار الفكر
تفسير ابن كثير	للحافظ اسماعيل ابن كثير القرشي الدمشقي	دار السلام
تفسير ابى السعود	للشيخ ابى السعود محمد الحنفى	دار الكتب العلمية
تقريب التهذيب	للحافظ ابن حجر العسقلانى	الكتب الاسلامية
تهذيب الكمال	للحافظ جمال الدين يوسف المزى	مؤسسة الرسالة
تحرير التقريب	الدكتور بشار عواد والشيخ شعيب الارنؤوط	مؤسسة الرسالة
التذكرة فى احوال الموتى وامور الآخرة	لابى عبد الله محمد بن احمد بن ابى بكر الانصارى القرطبى	دار الريان للتراث

تفسير المنار	للسيد محمد رشيد رضا	دار الفكر
التفسير المنير	للدكتور وهبه الزحيلي	دار الفكر
تهذيب التهذيب	للحافظ ابن حجر العسقلانى	دار الكتب العلمية
تفسير القرطبى	لمحمد بن احمد الانصارى القرطبى	دار الكتب العلمية
حاشية شعب الايمان	للمحقق عبد العلى عبد الحميد حامد	الدار السلفية الهند
حاشية التفسير الماوردى	للمحقق عبد المقصود بن عبد الكريم	
حاشية زاد المسير	للعلامة ابن الجزرى	المكتبة الاسلامى
صفوة التفاسير	للشيخ محمد على الصابونى	بيروت
حاشية الشهاب	للشيخ عبد الرزاق المهدى	دار الكتب العلمية
حاشية معرفة الصحابة	لمحمد حسن ومسعر عبد الحميد	دار الكتب العلمية
الحاوى للفتاوى	للامام جلال الدين السيوطى	فاروقى كتب خانه
الدرالمنثور فى التفسير المأثور	للامام جلال الدين السيوطى	مركز للبحوث والدراسة العربية مكة

روح المعانى	للشيخ شهاب الدين السيد محمود الآلوسى	التراث القاهرة
رسالة ثعلب بن حاطب	للدكتور عداب محمود	
شعب الايمان	للامام البيهقى	الدار السلفيه الهند
شرح معاني الآثار	للامام ابى جعفر الطحاوى	سعيد كمپنى
شرح مسلم	للعلامة النووى	دار احياء التراث
صحيح ابن حبان	للشيخ محمد بن حبان بن احمد ابى حاتم التميمى	مؤسسة الرسالة
الطبقات الكبرى	للشيخ محمد بن سعد	دار صادر
العرف الشذى	للعلامة انور الشاه الكشميرى	فيصل ديوبند
فتح المغيث	للحافظ عبد الرحمن السخاوى	دار الامام الطبرى
كتاب الروح	للشيخ شمس الدين ابى عبدالله ابن قيم الجوزية	دار الفكر
كتاب المجروحين	للشيخ محمد بن حبان التميمى	دار الوحى
لسان الميزان	للحافظ ابن حجر العسقلانى	اداره تاليفات اشرفيه
مرقاة المفاتيح	للشيخ الملا على القارى	مكتبه امداديه ملتان
مواهب الجليل	للشيخ ابى عبد الله المغربى	دار الكتب العلمية
ميزان الاعتدال	للعلامة الذهبى	دار الفكر العربى

الموضوعات	للشيخ عبد الرحمن بن على الجوزى	دار الفكر
مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين على بن ابى بكر الهيثمى	دار الفكر
مسند الامام احمد بن حنبل	للامام احمد بن حنبل الشيبانى	دار الفكر
صحيح مسلم	للامام ابى الحسن مسلم بن حجاج القشيرى	مكتبه اشرفيه ديوبند
النكت على كتاب ابن الصلاح	للحافظ ابن حجر العسقلانى	
نثر الازهار	للشيخ محمد امين	جامعه يوسفيه پاكستان
اتحاف السادة المتقين	للسيد محمد بن محمد الحسينى الزبيدى	دار الفكر
سنن ابى داؤد	للحافظ سليمان بن الاشعث ابى داؤد السجستانى	كتب خانه مركز علم
صحيح البخارى	للامام ابى عبد الله محمد بن اسماعيل البخارى	فيصل پبليكيشنز ديوبند
البحر الرائق	للشيخ زين الدين ابن نجيم المصرى	المكتبة الماجدية كوئٹه

المعجم الاوسط	للامما ابى القاسم سليمان بن احمد الطبرانى	
تاريخ الطبرى	للشيخ ابى جعفر محمد بن جرير الطبرى	
المعجم الكبير	للامام ابى القاسم سليمان بن احمد الطبرانى	
شرح مشكل الآثار	للامام ابى جعفر الطحاوى	
تاريخ ابن عساكر	للشيخ ابى القاسم على بن الحسن بن عساكر	
العواصم من القواصم	للشيخ ابن العربى	سهيل اكيڈمى
الكاشف	للعلامة شمس الدين الذهبى	
كتاب الضعفاء	للعلامة ابن الجوزى	
الكامل	للشيخ ابن اثير الجزرى	
سير اعلام النبلاء	للعلامة شمس الدين الذهبى	مؤسسة الرسالة
الاصابة فى تمييز الصحابة	للحافظ ابن حجر العسقلانى	
معجم الصحابة	للشيخ ابن قانع البغدادى	
معرفة الصحابة	للشيخ ابى نعيم الاصبهانى	
مصنف عبد الرزاق	للامام عبد الرزاق الصنعانى	

انساب الاشراف	للشيخ ابى الحسن احمد بن يحيى البلاذرى	
المقتنى فى سرد الكنى	للعلامة الذهبى	
تبصير المنتبه بتحرير المشتبه	للحافظ ابن حجر العسقلانى	بيروت لبنان
الكنى والاسماء	للامام مسلم	
تهذيب الاسماء	للامام النووى	
فتح الباب فى الكنى والالقاب	للشيخ ابن منده الاصبهانى	مكتبة الكوثر
البداية والنهاية	للحافظ ابن كثير الدمشقى	
حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	ادارۃ المعارف کراچی
بداية المجتهد	للعلامة ابن رشد القرطبى	
سیرتِ حضرت امیر معاویہ	لمولانا محمد نافع	دار الکتاب پاکستان، لاہور
ابو بكر شخصيته وعصره	للدكتور محمد على صلابى	
تاريخ الاسلام	للعلامة الذهبى	دار الكتاب العربى

الخلافة فى عهد الامويين	لابى جعفر محمد بن جرير الطبرى	دار ابن كثير
سنن ابن ماجه	للامام ابى عبد الله القزوينى	قديمى كتب خانه
اللآلى المصنوعة	للعلامة جلال الدين السيوطى	دار الكتب العلمية
مجلّہ المآثر	بیادگار امیر الہند محدثِ جلیل مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی	
الفتاوى الهندية	لجنة من العلماء العظام	
مراقى الفلاح	للفقيه ابى الاخلاص الشرنبلالى	بيروت
تعليم الاسلام	مفتی کفایت اللہ صاحب	مكتبة البشرى
فتاوی دار العلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمٰن	
بہشتی زیور	مولانا اشرف علی تھانوی	دار الاشاعت
عمدة الفقه	حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب	
فتاوی محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہی	مکتبہ محمودیہ
ما ثبت بالسنة	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	
اسلامی فقہ	مولانا مجیب اللہ ندوی	اردو بازار، لاہور
زوال السنة	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	
مظاہر حق	للعلامة قطب الدين الدهلوى	دار الإشاعت
الشرح الصغير	للشيخ الدردير المالكي	
شب براءت کی حقیقت	مفتی تقی عثمانی صاحب	دار العلوم کراچی

تاريخ بغداد	لابى بكر احمد بن على الخطيب البغدادى	دار الكتب العلمية
الوافى بالوفيات	لصلاح الدين الصفدى	داراحياء التراث
تكملة الاكمال	لابى بكر محمد بن عبدالغنى البغدادى	جامعة ام القرى مكة المكرمة
اخبار مكه	للعلامة الفاكهى	
الفوائد المجموعة	للعلامة الشوكانى	
البدر المنير	للشيخ ابن الملقن	
المغنى	للشيخ ابن قدامه الحنبلى	دار الكتب العلمية
فتح القدير	كمال الدين ابن همام المصرى الحنفى	دار الفكر
المدخل الى مذهب الامام احمد بن حنبل	عبد القادر بن احمد بن بدران	دار الكتب العلمية
مصنف ابن ابى شيبه	للشيخ ابى بكر ابن ابى شيبه	المجلس العلمى
القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع	للعلامة شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوى الشافعىؒ	مؤسسة الريان

القربة الى رب العالمين بالصلاة على محمد سيد المرسلين	للشيخ ابى القاسم خلف بن عبد الملك بن بشكوال	دار الكتب العلمية ، بيروت، لبنان
فيض القدير	للعلامة عبد الرؤوف المناوى	
سلسلة الضعيفة	للشيخ ناصر الدين الالبانى	
تذكرة الحفاظ	للعلامة الذهبى	
الترغيب فى فضائل الاعمال وثواب ذلك	للشيخ ابى حفص عمر بن احمد ابن شاهين البغدادى	
التيسير بشرح الجامع الصغير	للعلامة عبد الرؤوف المناوى	
الترغيب والترهيب	للشيخ ابى القاسم الاصبهانى	
العلل المتناهيه	للعلامة ابن الجوزى	
تبيين العجب بما ورد فى شهر رجب	للحافظ ابن حجر العسقلانى	
فضائل رجب	عبد العزيز الكتانى	
الادب فى رجب	للشيخ الملا على القارى	
الألبانى شذوذه وأخطاؤه	للشيخ حبيب الرحمن الاعظمى	

امدادالفتاوی	مولانا اشرف علی تھانوی	
فتاوی رحیمیہ	مفتی عبدالرحیم لاجپوری	
مسند البزار	للحافظ ابی بکر احمد بن عمرو البزار	مكتبة العلوم والحكم
فضائل الاوقات	للامام البيهقى	
فضائل رمضان	للحافظ ابن ابى الدنيا	
حلية الاولياء	للشيخ ابى نعيم الاصبهانى	دار الفكر
شرح السنة	للامام البغوى	المكتب الاسلامى
منهاج المسلم	للشيخ ابى بكر الجزائرى	دار الكتب السلفية
حكم العمل بالحديث الضعيف بين النظرية ،و التطبيق ، والدعوىٰ	فضيلة الشيخ محمد عوامة	داراليسر
الفقه الحنفى وادلته	للشيخ اسعد الصاغرجى	دمشق ، بيروت
التحريرالمختار	للعلامة الرافعى	سعيد
الخلاصة الفقهية على مذهب السادة المالكية	للشيخ محمد العربى القروى	دارالكتب العلمية
الفتح الربانى فيما ذهل عنه الزرقانى	للعلامة محمد بن الحسن بن مسعود البنانى	دارالكتب العلمية

فقه العبادات على المذهب المالكى	الحاجة كوكب عبيد	دمشق سوريا
مجموع رسائل	للشيخ العلامة الملا على القارى	
ماہنامہ	دارالعلوم دیوبند	
التعليقات على كتاب الترغيب	للشيخ محمد السعيد بن بسيونى زغلول	
فضائل شهررجب	للشيخ الحسن بن على الخلال	دارابن حزم
فضائل القرآن	للحافظ ابن كثير الدمشقى	مكتبة ابن تيمية
فضائل القرآن	للشيخ قاسم بن سلام	
فضائل سورة الاخلاص	للشيخ الحسن بن على الخلال	
فضائل شهررمضان	للشيخ ابى حفص ابن شاهين	
فضائل القرآن	للامام احمد بن شعيب النسائى	داراحياء العلوم
فضائل القرآن وتلاوته	للشيخ ابى الفضل الرازى	
فضائل فاطمةؓ	للشيخ ابى حفص عمر ابن شاهين	
فضائل التسمية باحمد ومحمد	للشيخ الحسين بن احمد بن عبدالله بن بكير	دارالصحابة للتراث
فضائل القرآن	للشيخ الفريابى	

فضائل القرآن	للشيخ محمد بن الضريس	
المتجر الرابح فى ثواب العمل الصالح	للحافظ ابى محمد الدمياطى	دار الحديث القاهرة
الزهد الكبير	للامام البيهقى	
الزهد	لابن ابى الدنيا	
الزهد	لابن ابى حاتم الرازى	
الزهد	لابن ابى داود	
الزهد	لاسد بن موسى	
الزهد	لابن ابى عاصم	
الزهد	للمعافى بن عمران	
الزهد	لهناد بن السرى الكوفى	
الزهد	لوكيع بن جراح	
التعليقات على مسند احمد	للشيخ شعيب الارنؤوط	
تحفة المودود باحكام المولود	للعلامة ابن القيم الجوزية	الرياض
شرح السنة	للامام محى السنة البغوى	المكتب الاسلامى
الكلم الطيب	للحافظ ابن تيمية	
نيل الاوطار	للعلامة الشوكانى	

ارشاد الفحول	للعلامة الشوكانى	
توجيه النظر	للشيخ محمد طاهر الجزائرى	
الباعث الحثيث	للشيخ احمد محمد شاكر	
عيون الاثر	للشيخ ابن سيد الناس	مكتبة القدسى
الكفاية فى علم الرواية	للشيخ ابى بكر احمد بن على بن ثابت الخطيب البغدادى	المكتبة العلمية المدينة المنورة
فتح الملهم	للشيخ شبير احمد العثمانى	دارالعلوم كراتشى
المثنونى والبتار فى نحر العنيد المعثار الطاعن فيما صح من السنن والآثار	للشيخ احمد بن محمد بن الصديق الغمارى الحسنى المغربى	المطبعة الاسلامية بالازهر
تمام المنة	للشيخ ناصرالدين الالبانى	
عمل اليوم والليلة	للامام النسائى	
الجامع لاخلاق الراوى وآداب السامع	للشيخ ابى بكر احمد بن على بن ثابت الخطيب البغدادى	
تاريخ يحيى بن معين	من رواية عثمان بن سعيد الدارمى	
حاشية تهذيب الكمال	للشيخ شعيب الارنؤوط	موسسة الرسالة

فضل الاخيار وشرح مذاهب اهل الآثار وحقيقة السنن	للامام محمد بن اسحاق بن محمد بن منده	الرياض
رسالة الى اهل مكة	للامام ابى داود السجستانى	دار العربية ، بيروت
السلسلة الصحيحة	للشيخ ناصر الدين الالبانى	
التعليقات على سنن ابن ماجه	للشيخ شعيب الارنؤوط	
مسند ابى حنيفة	من رواية ابى نعيم	مكتبة الكوثر
تانيب الخطيب	للعلامة محمد زاهد الكوثرى	
عارضة الاحوذى	للشيخ ابن العربى	دارالكتب العلمية
الرسالة	للامام الشافعى	
طبقات الحنابلة	للشيخ ابى الحسين ابى يعلى	دارالمعرفة بيروت
تحفة الاحوذى	للشيخ عبدالرحمن المباركفورى	
مرعاة المفاتيح	للشيخ عبدالسلام المباركفورى	الجامعة السلفية
العجالة فى الاحاديث المسلسلة	للشيخ محمد ياسين الفادانى المكىؒ	دار البشائر الاسلامية
فتاوى الشامى	للعلامة ابن عابدين الشامى	سيعد
الباعث على انكار البدع والحوادث	للشيخ ابى شامة المقدسى	

قرة العينين على تفسير الجلالين	للقاضى الشيخ محمد احمد كنعان	دار البشائر الاسلامية
ارشيف ملتقى اهل الحديث		المكتبة الشاملة
الشهاب الثاقب فى الذب عن الصحابى الجليل ثعلبة بن حاطب ؓ	للشيخ ابى أسامة سليم بن عيد الهلالى	الدار الاثرية ، عمان ، اردن
لوامع الانوار البهية وسواطع الاسرار الاثرية لشرح الدرة المضية فى عقد الفرقة المرضية	للشيخ شمس الدين محمد بن احمد بن سالم السفارينى الحنبلى	دمشق